اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کے ساتھ

ماہنامہ

اپریل 2014ء

قندیلِ ادب

مدیر: رانا عبدالرزاق خان

07886304637 & 02089449385

rana_razzaq@hotmail.com

تزئین: خورشید احمد خادمؔ

00 91 9815617814

khursheedkhadim@yahoo.co.in

نگرانِ ویب سائٹ: ایاز احمد راٹھور

www.bazmesherosukhan.co.uk

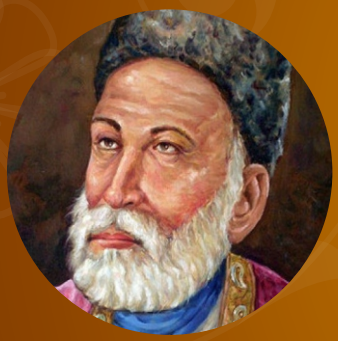

ماہنامہ قندیلِ اَدب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انٹر نیشنل لندن

شمارہ نمبر:16 اپریل 2014ء

مجلس ادارت

مبارک صدیقی، زکریا ورک، خواجہ عبدالمومن ناروے، راجہ منیر احمد

مدیر اعلیٰ : بشیر احمد رفیق لندن

مدیر : رانا عبدالرزاق خان

معاون مدیر : عامر امیر

مدیر خصوصی : سہیل لون

منیجنگ ڈائریکٹر : عاصی صحرائی

فوٹوگرافی : قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، اقبال مجیدی، میاں فہیم الدین، تنویر احمد آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن

وضاحت

قِندیلِ اَدب انٹرنیشنل کسی سیاسی سماجی مذہبی گروہ یا فرقے کا ترجمان نہیں یہ نسل یا فرقوں کے اِمتیاز سے بالاتر ہے یہ صرف اُردو اَدب کی ترقی وترویج کے لئے جاری کیا گیا ہے اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں قارئین کو آراء یا مضامین سے اختلاف کا حق حاصل ہے اور اس کے صفحات حاضر ہیں۔ تحریر کے ساتھ اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور ارسال کریں یہ آپ کا اپنا میگزین ہے۔

سخن میں سہل نہیں جاں نکال کر رکھنا
یہ زندگی ہے ہماری، سنبھال کر رکھنا

عبیداللہ علیم

فہرست

غزل	منور احمد کنڈے	1
غزل	مرزا غالب	2
غزل	عبیداللہ علیم	2
مزاح نگاری	رانا عبدالرزاق خاں	3
تعارف: مبارک صدیقی	عاصی صحرائی	10
دنیا	امام غزالیؒ	13
قابل اجمیری	مرسلہ: بشیر احمد رفیق	13
جوانی	آفتاب احمد خان	13
بخش لائلپوری	اے۔آر۔راجپوت	14
میرا وطن	عاصی صحرائی	16
پاکستانی ایکسپریس ٹرین	مرسلہ: بی اے رفیق	17
غزل	عامر امیر	17
اندلس کے بیالیس معروف تاریخ دان	زکریا ورک	18
کچھ ادھر ادھر سے	عاصی صحرائی	24

غزل

رُوح کی دل پر سجے گی جب نشانی دیکھنا
تم لگو گے خود کو انسان آسمانی دیکھنا

دوستو ہم بھی کتابِ عشق کے ہیں خوش نویس
اب ذرا پڑھ کر ہماری بھی کہانی دیکھنا

ریزہ ریزہ کر نہ ڈالے ذہن و دل کی دوستی
گر رہی سوچیں وہی جو تھیں پرانی دیکھنا

اس سے پہلے کہ چمن کو گھیر لے بادِ خزاں
نغمۂ بلبل ذرا گُل کی جوانی دیکھنا

اے منورؔ اُن سے اظہارِ محبت کر ہی لو
بیت نہ جائے کہیں یہ عمرِ فانی دیکھنا

(منور احمد کنڈے)

غزل

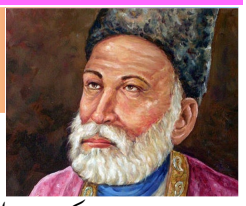

(مرزا غالبؔ)

کیوں جل گیا نہ، تابِ رُخِ یار دیکھ کر
جلتا ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر

آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہان مجھے
سرگرم نالہ ہائے شرربار دیکھ کر

کیا آبروئے عشق ، جہاں عام ہو جا
رُکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر

آتا ہے میرے قتل کو پُر جوش رشک سے
مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

ثابت ہوا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق
لرزے ہے موجِ مے تیری رفتار دیکھ کر

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر

بِک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھ کر

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر

کیا بدگماں ہے مجھ سے ، کہ آئینے میں مرے
طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی ، نہ طور پر
دیتے ہیں ، بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ ! غالب؟ شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

❀❀

تُجھ کو کتنوں کا لہو چاہئے اے ارض وطن!
جو ترے عارض بے رنگ کو گلنار کریں
کتنی آہوں سے کلیجہ ترا ٹھنڈا ہوگا
کتنے آنسو ترے صحراؤں کو گلزار کریں!

فیض احمد فیضؔ

غزل

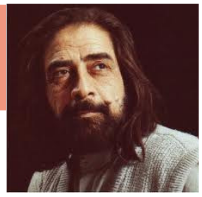

(عبیداللہ علیمؔ)

سایہ سایہ ایک پرچم دل پہ لہرانے کا نام
اے مسیحا، تیرا آنا زندگی آنے کا نام

لاکھ فریادی رہے دیوارِ گریہ پر ہجوم
جانے والا اب نہ لے گا لوٹ کر آنے کا نام

جس پہ اُترا وہ مسیحا،دل منارہ ،دل دمشق
استعارے پھول میں خوشبو کو سمجھانے کا نام

وہ اندھیروں میں عجب اک روشنی کا خواب ہے
وہ اُجالوں میں چراغِ نور لہرانے کا نام

جب سے آیا ہے دل کی اور دنیا ہو گئی
ورنہ پہلے دل تھا گویا ایک ویرانے کا نام

کیوں نہ وہ قامت قیامت ہو،کہ ہے اس کا وجود
رات کے جانے کا نام،اک صبح کے آنے کا نام

❀❀

خیال و خواب ہوئی ہیں محبتیں کیسی
لہو میں ناچ رہی ہیں یہ وحشتیں کیسی

نہ شب کو چاند ہی اچھا نہ دن کو مہر اچھا
یہ ہم پہ بیت رہی ہیں قیامتیں کیسی

وہ ساتھ تھا تو خدا بھی تھا مہرباں کیا کیا
بچھڑ گیا تو ہوئی ہیں عداوتیں کیسی

عذاب جن کا تبسم، ثواب جن کی نگاہ
کھنچی ہوئی ہیں پس جاں یہ صورتیں کیسی

ہوا کے دوش پہ رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم
جو بجھ گئے تو ہوا سے شکایتیں کیسی

جو بے خبر کوئی گزرا تو یہ صدا دی ہے
میں سنگ راہ ہوں، مجھ پر عنایتیں کیسی

❀❀

مزاح نگاری

(رانا عبدالرزاق خاں)

مزاح کیا ہے؟

بقول سٹیفن لی کاک ''مزاح زندگی کی ناہمواریوں کے اس ہمدردانہ شعور کا نام ہے جس کا اظہار فنکارانہ طور پر کیا گیا ہو'' سنجیدہ بات کو غیر سنجیدہ طریقے سے کہنا مزاح نہیں بلکہ غیر سنجیدہ بات کو سنجیدہ طریقے سے کہنا مزاح ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد یونس بٹ ''مزاح کی تعریف کئی نقادوں نے کرنے کی کوشش کی ہے مگر مکمل تعریف آج تک ہم نے نہیں پڑھی۔ سو ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ مزاح کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔''

مزاح کا معیار اور مقدار

ہنسنا، مسکرانا، قہقہے لگانا یا پتھر بنے رہنا تو سامنے والے کا ذاتی کردار ہے لیکن ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کرا دینا مزاح نگار کا نہیں جوکر یا بھانڈ وغیرہ کا کام ہے۔ جبکہ صحیح قسم کا مزاح لکھنا سنجیدہ لکھنے سے کہیں مشکل تر کام ہے۔ کوئی اسے پہاڑ کھود کر جوئے شیر لانے کے برابر بتاتا ہے۔ مشتاق یوسفی اسے تنے ہوئے رسے پر کرتب دکانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور عنایت اللہ کہتے ہیں کہ طنز و مزاح کے موتی نکالنے کے لئے معاشرہ کے کالے پانی میں غوطہ زن ہونا پڑتا ہے۔ جو انسانی فطرت سے زیادہ پُر فریب اور پُر خطر ہے۔

اور اس میں اتنا تعفن ہے کہ اہل علم و ادب ذرا دور ہی رہتے ہیں۔ گویا مزاح نگاری دو دھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ مزاح کی حدود ابتذال اور فحاشی سے اسقدر ملتی ہیں کہ ذرا سی لغزش سے لکھنے والا پھکڑ پن کے تحت الثریٰ میں گر سکتا ہے۔ انور مسعود کہتے ہیں مزاح ایک تیز ڈھلوان ہے جس سے غیر شائستگی کی طرف بہت تیزی سے پھسلا جا سکتا ہے۔ اس لئے بڑے بڑے مزاح نگاروں میں بھی شاید ہی کوئی ایسا نام ہوگا جس پر اس قسم کا کوئی الزام نہ لگا ہو۔ اور اس طرح محتاط نگاری میں جو مزاح سامنے آتا ہے وہ بقول طاہر تونسوی ''دو طرح کا ہوتا ہے ایک سے ہنسی آتی ہے اور دوسرے پر'' اور ایم آر کیانی اپنے بارے میں کسی کا تبصرہ لکھتے ہیں: ''پر مذاق بننے کی کوشش کرتا ہے اور اکثر مضحکہ خیز بن جاتا ہے۔''

اس کشمکش میں مزاح کے معیار اور مقدار کے بارے عربی کا یہ مقولہ کتنا درست ہے:

''کلام میں ظرافت کو وہی مرتبہ حاصل ہے جو کھانے میں نمک کو نصیب ہے۔''

مزاح نگاری مذاق نہیں

انور مسعود کا ایک نہایت ابتدائی شعر ہے ؎

جو ہنسنا ہنسانا ہوتا ہے
رونے کو چھپانا ہوتا ہے

مزاح بقول کسے رُکے ہوئے آنسوؤں کا نام ہے۔ ہنسی کی آخری حد آنسو ہی ہوتے ہیں۔ مشتاق احمد یوسفی کہتے ہیں ''مزاح کو میں دفاعی میکنزم سمجھتا ہوں۔ یہ تلوار نہیں اس شخص کا زرہ بکتر ہے۔ جو شدید زخمی ہونے کے بعد اسے پہن لیتا ہے۔'' اور بقول انور مسعود ''مزاح مکئی کی مانند ہے جب جلتی ہے تو مسکراتی ہے۔'' اور مشتاق یوسفی مزید لکھتے ہیں ''عملِ مزاح اپنے لہو کی آگ میں تپ کر نکھرنے کا نام ہے۔ لکڑی جل کر کوئلہ بن جاتی ہے اور کوئلہ راکھ۔ لیکن اگر کوئلے کے اندر کی آگ باہر کی آگ سے تیز ہو تو پھر وہ راکھ نہیں بنتا ہیرا بن جاتا ہے۔'' اسد جعفری کہتے ہیں ؎

بلا کا حسن ظرافت تھا جن کی باتوں میں
وہی تھے لوگ حقیقت میں چوٹ کھائے ہوئے

گویا معیاری مزاح نہ صرف بہت مشکل کام ہے بلکہ مزاح نگار کا ذہین ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے شاید یہی وجہ ہے کہ چند بڑے بڑے لکھاریوں نے بہت کم مزاح لکھا ہے۔ گویا اس بھاری بھر پتھر کو چوم کر چھوڑ دیا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے مزاح نگاری کے کیا اصول ہیں؟ بقول ڈاکٹر محمد یونس بٹ ''مزاح نگاری کے تین اصول ہیں جنہیں یہ اصول نہ آتے ہوں اُسے مزاح نگار کہتے ہیں۔'' خیر یہ تو جملہ مزاحیہ تھا ورنہ حقیقت یہ ہے حسِ مزاح ذہانت کی پہچان ہے۔ جس میں جتنی حسِ مزاح اور توازن ہوگا وہ اتنا ہی بڑا زیرک ہوگا۔ گوئٹے اور برگساں نے اسے دانائی کا پیمانہ قرار دیا ہے۔ اور صوفی تبسم کہتے ہیں ''جب تک کسی شخص میں غیر معمولی ذہانت، عمیق مشاہدہ کی عادت اور شگفتہ طرز بیان کی قوت نہ ہو وہ کامیاب مزاح نگار نہیں ہو سکتا۔ اور ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا کہتے ہیں۔ ''جو شخص دلچسپ گفتگو کا ہنر جانتا ہے ترشے تراشے جملے، ظرافت، طنز، واقعات، حکایات، دلکش نکات، ضرب الامثال، اشعار غرض دلچسپی پیدا کرنے والے تمام حربے اس کی نوکِ زبان پر ہوں وہ بہر طور ایک عمدہ مزاح نگار ثابت ہو سکتا ہے۔'' ان تمام چیزوں کو مزاحیہ زبان میں مزاحیہ صورت واقعہ، مزاحیہ کردار، ہمزاد، رعایت لفظی، تحریف، قول محال، گلابی زبان، اسلوب، تشبیہات، حسن تعلیل، صفت تجنیس، بیک وقت مشابہت و تضاد اور بذلہ سنجی (wit) وغیرہ کہتے ہیں جن کا فرداً ذکر آگے آئے گا۔

اُردو نثر کے اہم مزاح نگار:

یہ فہرست طویل ہے۔ مزاح نگاروں کا ایک گروہ ایسا ہے جس نے براہِ راست مزاح نہیں لکھا۔ بلکہ اپنے اسلوب کی وجہ سے مزاح نگاروں میں شامل ہیں۔ مثلاً رشید احمد صدیقی علی گڑھ کی کہانیاں سناتے ہیں۔ جسٹس ایم آر کیانی عدالت یا

سیاسیات کے قصے بیان کرتے ہیں ۔صدیق سالک اور کرنل محمد خان جیسے فوجی حضرات فوجی زندگی اور سیاسی طنزیات سے مزاح پیدا کرتے محسوس ہوتے ہیں ۔پھر ایک بہت بڑی تعداد سفرناموں ،اور اخباری کالموں کے ذریعہ مزاح نگاری کرتی نظر آتی ہے ۔جن میں اہم نام ابنِ انشاء،ابراہیم جلیس ،اور عطاء الحق قاسمی ہیں ۔ان لوگوں کے علاوہ بھی مسعود مفتی قسم کے لوگوں نے اپنے طور پر مزاح نہیں لکھا ۔لیکن ان کی کچھ تحریریں مزاح نگاری میں شمار ہوتی ہیں ۔خالص مزاح لکھنے والوں میں فرحت اللہ بیگ ،شوکت تھانوی ،رتن ناتھ سرشار،امتیاز علی تاج ،پطرس بخاری ،شفیع الرحمن ،ہوش ترمذی ،محمد خالد اختر ، ڈاکٹر محمد یونس بٹ ، اور مشتاق احمد یوسفی ، بہت بڑے نام ہیں ۔ڈاکٹر محمد یونس بٹ بلا مبالغہ سب سے زیادہ اردو مزاح لکھنے والے کے طور پر جانے جاتے ہیں ۔ان کی تحریرات اور موضوعات کا احاطہ کرنا آسان کام نہیں ۔الفاظ کی توڑ پھوڑ اور اردو انگریزی الفاظ کی مشابہت سے مزاح پیدا کرنا اس کا خاصہ ہے ۔جس میں بعض اوقات قاری پھنس کر رہ جاتا ہے ۔بسیار نویسی کی بدولت ان کی تحریروں میں تکرار اور سرقہ کے نمونے بھی بآسانی تلاش کئے جاسکتے ہیں ۔ان کی تحریریں عریاں نویسی کے الزام سے بھی خالی نہیں ۔اُردو مزاح نگاری میں سب سے بڑا نام مشتاق احمد یوسفی کا لیا جاسکتا ہے ۔ان کی عظمت فن کے لئے سیّد ضمیر جعفری کا یہ تبصرہ ہی کافی ہے ۔''ان کی تحریر کے نمونے سے ادب کے طالب علموں کو یہ بات سمجھائی جاسکتی ہے کہ کونسی تحریر کون سا موڑ مڑنے پر ادبِ عالیہ میں داخل ہو جاتی ہے ۔'' انہوں نے مزاح نگاری کے تمام حربے تقریباً کامیابی سے استعمال کئے ہیں ۔وہ بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنے والے فنکار ہیں ۔بہر حال نقادوں نے ان کی مزاح نگاری پر بھی چند اعتراض کئے ہیں ۔عمومی موضوعات ۔دیگر اصنافِ ادب کی مانند تقریباً ہر موضوع پر مزاح نگاری یا کم از کم اس کی کوشش ضرور کی گئی ہے ۔اس میں نظم ونثر کی بھی کوئی خاص تخصیص نہیں ۔البتہ چند موضوعات مزاح نگاروں کے چند پسندیدہ میدان محسوس ہوتے ہیں ۔ان میں مشرقی اور مغربی اقتدار کا تصادم ۔نسوانیات اور اس کے متعلقات، سیاسیات ،بشمول جمہوریت اور حکومت اور خوش خوراکی وغیرہ کافی نمایاں ہیں ۔ان میں مشرقی اور مغربی اقدار کا موضوع چونکہ اردو کے ابتدائی ،ارتقائی دور سے تعلق رکھتا ہے اس لئے وقت کے ساتھ ساتھ معدوم ہوتا محسوس ہوتا ہے اس موضوع پر مزاح نگاری کرنے والوں میں اہم نام رتن ناتھ سرشار،فرحت اللہ بیگ ،شوکت تھانوی ،نظیر اکبر آبادی ، اکبر الہ آبادی اور اقبال کے نام لئے جاسکتے ہیں ۔بلکہ پطرس بخاری اور شفیق الرحمن قسم کے مغربی طرز مزاح کو اپنانے والے بھی دراصل اسی موضوع سے متاثر نظر آتے ہیں ۔اور یہی موضوع برّصغیر میں سیاسی حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدل کر سیاسیات ،بشمول جمہوریت اور حکومت ابھی تک جاری وساری ہے ۔جس کا تذکرہ آگے چل کر آئے گا ۔

سیاسیات

صدیق سالک کو شاید ہی کوئی مزاح نگاروں میں شامل کرتا ہوگا ۔لیکن ان کی تحریروں میں جا بجا ایسے ٹکڑے ملتے ہیں ۔جنہیں نہ صرف کڑوا سچ کہا جاسکتا ہے ۔بلکہ قاری زیرلب مسکرائے بغیر بھی نہیں رہ سکتا ۔چند نمونے پیش خدمت ہیں ۔''نادر شاہ ابدالی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنے مشیروں بلا کر کہا کرتا تھا کہ ہم نے ہندوستان پر حملے کا فیصلہ کرلیا ہے لہٰذا اس کے لئے ضروری وجوہات تلاش کرو ۔ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو۔''سیاسی بصیرت میں اس راہنما کا جواب نہیں جس نے ملک کا نام تجویز کیا تھا ۔جس نے جان بوجھ کر اس کے اجزائے ترکیبی میں بنگال شامل نہ کیا.....سات کروڑ افراد سے آغاز کیا جلد ہی تیرہ کروڑ ہو گئے ۔آبادی کے روز افزوں رُجحان کو روکنے کے جب تمام طریقے ناکام ہو گئے تو تنگ آ کر ۱۹۷۱ء میں اس کی آدھی آبادی یکمشت تفریق کر ڈالی ۔برما کے قریب آدھا جغرافیہ،آدھی آبادی اور پوری قومی حمیت چھوڑ کر یہاں مقیم ہو گئے ۔'' بریگیڈیئر صدیق سالک ایک اور جگہ بڑے پتے کی بات لکھتے ہیں ۔جنرل گریسی کے بعد پاک فوج کے تینوں مقامی کمانڈر انچیف پیغمبری ناموں کے حامل تھے ۔ایوب ،موسیٰ اور یحییٰ ،اس کتاب میں ایک اور جگہ رقمطراز ہیں ۔''غلط سیاسی ٹی بی کی طرح ہوتے ہیں ۔جو شروع میں قابل علاج مگر ناقابل شناخت ہوتے ہیں ۔لیکن بعد میں اُن کے اثرات واضح نظر آتے ہیں ۔لیکن اس وقت وہ ناقابل علاج ہو چکے ہوتے ہیں ۔مختار مسعود کا نام بھی کسی جہت سے مزاح نگاروں میں شامل نہیں ۔لیکن اس موضوع پر اس کا ایک جملہ قابل توجہ ہے ۔'' نظریہ ضرورت کی رعایت سے پاکستان واقعی ایک نظریاتی ریاست ہے'' اور یونس بٹ نے اس موضوع پر ترقی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ملاحظہ کیجئے'' قیام پاکستان کے بعد ہم نے بہت ترقی کر لی ہے ۔جس کے پاس ایک کوٹھی تھی اس نے دو بنالیں پہلے ہمارے پاس ایک پاکستان تھا پھر ہم نے دو بنالئے ۔''۔قیام پاکستان کی نصف سینچری مکمل ہونے پر یونس بٹ کا ہی تبصرہ قابل توجہ ہے ۔'' پاکستان پچاس برس کا ہو گیا ہے لیکن پچاس برس کا لگتا نہیں حالت اور حلیہ سے سو برس کا لگتا ہے ۔'' اور اس حالت اور حلیہ کے اسباب کو شاید ہی کسی تجزیہ نگار نے اتنی جامعیت سے دریا کو کوزے میں بند کیا ہوگا جیسے رئیس امروہوی نے اس قطعہ میں کیا ہے :

چار طبقے ہیں جو مل سکتے ہیں پاکستان میں
آپ کو ہو خواہ ان طبقوں سے ہو کتنا ہی گریز
حاکمانِ بے لیاقت، عالمانِ بے عمل
رہبرانِ بے تدبر، واعظانِ فتنہ خیز

حاکموں کے بارہ میں ڈاکٹر اے ایچ خیال کا خیال ہے۔ ''حاکم وہ خادم ہوتے ہیں جو اپنا معاوضہ خود طے کرتے ہیں''۔ اور ڈاکٹر یونس بٹ کہتے ہیں ''ہماری ٹریجڈی یہ ہے کہ ہمارے جتنے اچھے راہنما ہیں۔ سب مردہ ہیں اور جتنے بُرے حکمران ہیں وہ سابقہ ہیں۔ موجودہ حکمران برا نہیں ہوتا اسے ایسا کہو تو برا ہوتا ہے'' اب تو کوئی پوچھے کہ پاکستان کے کسی غیر متنازعہ بڑے آدمی کا نام بتائیں تو جواب ملے گا '' عالم چنا''۔ بڑے آدمیوں کی ایک اور خصوصیت بقول یونس بٹ ملاحظہ ہو۔ ''بڑی عمارتیں کسی شہر کی شناخت ہوتی ہیں اور بڑے آدمی وہاں کے شہریوں کی۔ بڑی عمارتوں اور بڑے آدمیوں میں یہ فرق ہے کہ بڑی عمارتیں دور سے چھوٹی اور قریب سے بڑی نظر آتی ہیں۔ جبکہ آج کے بڑے آدمی دور سے بڑے قریب آؤ تو چھوٹے ہونے لگتے ہیں۔'' اور ضیاء الحق قاسمی کا کہنا ہے۔

حج ادا کرنے گیا تھا قوم کا لیڈر کوئی
سنگباری کے لئے شیطان پر جانا پڑا
ایک کنکر پھینکنے پر صدا آئی اُسے
تم تو اپنے آدمی تھے تم کو آخر کیا ہوا

ویسے تو لیڈرانِ کرام کی ایک خوبی بقول یونس بٹ یہ بھی ہے۔ ''موصوف نے اپنے ملک کی بھلائی کے لئے جو کچھ کیا ان میں سے ایک انتقال فرمانا بھی تھا''۔ لیکن صدیق سالک اقتدار سے چمٹے رہنے کو لیڈر کی سب سے بڑی خوبی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''اقتدار کو کوئی شکم مادر کی طرح محفوظ سمجھ کر باقی ایام وہاں گزارنا چاہتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ شکمِ مادر میں بھی قیام کی ایک حد ہوتی ہے۔ بچہ وقت پر باہر نہ نکلے تو دونوں کی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔'' لیکن سیاستدان بقول یونس بٹ وہ ہوتا ہے ''جو آپ سے سو روپے لے کر آپ کو پچاس روپے واپس کر دے اور اعلان کر دے کہ ہم دونوں برابر ہیں۔ دونوں کو پچاس پچاس کا نقصان ہوا ہے۔'' عوام الناس کی تعریف انہی صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ ''وہ عوام جن کا ناس مار دیا جائے عوام الناس کہلاتے ہیں۔'' مزید فرماتے ہیں کہ سیاستدانوں کے بارے میں اتنے لطائف مشہور ہیں کہ انہیں ابولطیفہ کہنا چاہیئے۔ اور لکھتے ہیں ''ہمارا پسندیدہ ڈرامہ خبرنامہ ہوتا ہے کہ اس کی کاسٹ میں ملک کے تمام کامیاب اداکار شامل رہتے ہیں۔ حقیقت ہے کہ سیاست بذاتِ خود کوئی بُری چیز نہیں بلکہ معاشرتی زندگی کے لئے آکسیجن کا کام کرتی ہے اور اقبال تو دین کو سیاست سے جدا کرنے کے مخالف ہیں۔ اور ہمارے اکثر سیاستدان بھی یہی نعرہ لگاتے ہیں کہ وہ سیاست کو عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ اب یہ اور بات ہے کہ ان کی عبادت بھی سیاست ہو۔'' بقول یونس بٹ ''کشتی اور سیاست میں یہی فرق ہے کہ کشتی میں لڑنے والا اپنے کپڑے خود اُتارتا ہے'' جمہوریت جو اس سارے قصے کی جان ہے اس کے عجیب وغریب چرچے ہیں۔ صدیق سالک لکھتے ہیں ''بعض لوگوں نے جمہوریت کے نام پر اقتدار حاصل کیا اور پھر آمر بن بیٹھے۔ یا پھر آمرانہ طریقے سے اقتدار پر قبضہ کیا اور پھر جمہوریت کا نقاب اوڑھ لیا''۔ ''جمہوریت ایک خوبصورت پری ہے جو ہم سے روٹھ گئی۔ الیکشن کی اوٹ میں جاتے ہیں تو وہاں ہمیں بھوت پریت ملتے ہیں۔ پارلیمنٹ میں جاتے ہیں تو وہاں کرسیوں سے گتھم گتھا افراد سے واسطہ پڑتا ہے۔ ایوانِ بالا میں جاتے ہیں تو وہاں کی ربڑ کی مہریں لئے حاکمِ وقت کے حکم کا انتظار کرتے اشخاص سے پالا پڑتا ہے۔'' اور انور مسعود کی نظر میں:

دوٹوں سے کہ نوٹوں سے کہ لوٹوں سے بنے ہیں
یہ راز ہیں ایسے کہ کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
اندر کی جو باتیں ہیں ٹٹولا نہیں کرتے

غذا میں مزاح

شاید ہی کوئی مزاح نگار ہوگا جس نے کھانے پینے اور اس کے متعلقات سے مزاح تخلیق نہ کیا ہو۔ قتیل شفائی جیسے سنجیدہ شاعر کی ایک تحریف ملاحظہ ہو:

شاید مجھے نکال کر کچھ کھا رہے ہوں آپ
محفل سے اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں

اور ابنِ انشاء ایک خط میں اے حمید کے بیٹے کو لکھ رہے ہیں: ''تمہارے ابا کے ساتھ ہمارا دعوتوں کا وٹہ سٹہ کا معاملہ ہے۔ کبھی یہ ہمیں دعوت پر بلا لیتے ہیں اور کبھی ہم خود ان کی دعوت میں آ جاتے ہیں''۔ اور مشتاق یوسفی کا انکشاف ملاحظہ ہو:

''.... کو کھانے کا ایسا ہوکا ہے کہ ایک منہ اسے ناکافی معلوم ہوتا ہے۔ خود کہتے ہیں صاحب! خدا نے ایک پارہ گوشت کو جانے کس لذت سے ہمکنار کر دیا اگر سارا بدن اس لذت سے ہمکنار ہو جاتا تو انسان اس کی تاب نہ لا سکتا۔ زمین کی چھاتی پھٹ جاتی۔'' ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ ''دال کو ہندوآنہ بدعت اور سبزی کھانے کو مویشیوں کی صریح حق تلفی سمجھتے تھے۔ کڑاہی گوشت کا مطلب صرف یہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کڑاہی میں کھائیں۔ بلکہ کڑاہی بھر کر کھائیں۔'' نظیر اکبر آبادی کا چاند اور سورج کو روٹیوں سے تشبیہ دینا تو قدامت پسندی کے زمرے میں آ سکتا ہے۔ البتہ پلاؤ اور مرغ جدید کھانوں میں سرفہرست ہیں۔ نذیر احمد شیخ کہتے ہیں۔

جہاں بھی پلاؤ بگھارا گیا ہے
اسی غم میں شیطان مارا گیا ہے
زمیں سے فلک تک بھپارا گیا ہے
کہ مومن پہ یہ کیا اُتارا گیا ہے

کذتِ کام و دہن کے بارے میں یونس بٹ کا ایک نمونہ پیش خدمت ہے۔''ایک بار اُن کو کھاتا دیکھ کر کسی نے لکھ دیا کہ یوں کھاتے ہیں جیسے آخری بار کھا رہے ہوں۔تو ناراض ہو گئے۔سو اُسے لکھنا پڑا کہ یوں کھاتے ہیں گویا پہلی بار کھا رہے ہوں''۔مرغ کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے۔کہ پورا دفتر درکار ہے۔مرغ چرغا کے بارے میں انور مسعود کی تنبیہ ملاحظہ ہو:

یہ بوفے ہے یہاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو خود بڑھ کر اُٹھا لے ہاتھ میں مُرغ اسی کا ہے

مشتاق یوسفی کی خوش خوراکی کی ایک مثال دیکھیئے۔''ستّو اور فالودہ خالص لغوی معنوں میں نہ آپ کھا سکتے ہیں نہ پی سکتے ہیں۔یہ ٹھوس غذا اور ٹھنڈے شربت کے درمیان ایک ناقابل بیان ایک سمجھوتہ ہے۔''زیادہ کھانے کا لازمی نتیجہ مٹاپے کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔اس پر بھی کافی مزاح لکھا گیا ہے۔بقول یونس بٹ''۳۰ سال سے ویٹ لفٹنگ کر رہے ہیں۔ہر وقت ڈھائی من وزن اُٹھائے پھرتے ہیں۔''وہ تو جانِ من کو بھی جانِ دو من لکھتے ہیں۔اور مشتاق یوسفی وزن کرنے کے ایک طریقہ کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں۔''وزن کم کرنے کے لئے ڈاکٹر نے گھڑ سواری کا مشورہ دیا۔ایک ماہ کے بعد ڈاکٹر کے پاس گئے پوچھا کچھ وزن کم ہوا بولے جی ہاں گھوڑے کا''۔اور کھانے کے آخر میں سویٹ ڈش دی جاتی ہے اس کا احوال دلاور فگار کی زبانی سُنیے۔

دعوتوں میں شاعری اب ہوگئی ہے رسمِ عام
یوں بھی شاعر سے لیا جاتا ہے اکثر کام
پہلے کھانا اس کو کھلواتے ہیں بھوکے کی طرح
پھر اسے کرتے ہیں استعمال میٹھے کی طرح

دانشمندانہ مزاح:

مزاح صرف وقتی ہنسی مذاق نہیں ہوتا بعض اوقات اس میں حکمت و دانائی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔کسی تشبیہ یا مشابہت میں ایسی ازلی وابدی حقیقت کا بیان ہوتا ہے۔وہ اقوالِ زریں سے بھی بلند تر محسوس ہوتا ہے۔یونس بٹ کہتے ہیں کہ''بیقوف کا دل اس کے منہ میں ہوتا ہے۔اور عقلمند کا منہ اس کے دل میں۔''اسی طرح ضمیر جعفری فرماتے ہیں۔''بعض لوگ دماغ کے خانے میں بھی دل ہی رکھتے ہیں''۔اور بقول یونس بٹ''بغیر سوچے سمجھے بات کرنے کے بعد پریشانی ہوتی ہے۔حالانکہ سوچ سمجھ کر بات کرنے سے پہلے پریشانی ہوتی ہے''۔مزید لکھتے ہیں''کسی کو احمق سمجھ کر اس سے بحث کرنے سے پہلے یقین کر لیں کہ وہ بھی تو یہی کچھ نہیں کر رہا''۔ڈاکٹر سلیم ملک لکھتے ہیں''بچے غلطیاں کرنا سیکھ رہے ہیں اور ہم غلطیاں کرنا سیکھ چکے ہیں''۔اور انور احمد علوی کہتے ہیں۔''طلباء میں نقل اور اساتذہ میں نقل مکانی کا رُجحان بہت زیادہ ہے.....نصاب پڑھاتے پڑھاتے عمر گزر جاتی ہے پھر بھی صاحبِ نصاب نہیں بن پاتے .....بڑھاپا آجاتا ہے عینک کا نمبر بڑھ جاتا ہے مگر تنخواہ نہیں بڑھتی۔''عمر اور بڑھاپے کے بارے میں چند ٹکڑے ملاحظہ ہوں۔یونس بٹ لکھتے ہیں''بیماری تو عمر ہے بندے کو پیدا ہوتے ہی یہ مرض لگتی ہے اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔''مزید لکھتے ہیں انسانی زندگی کے تین ادوار ہیں ایک جب آپ کو قیلولہ کرنا پڑتا ہے مگر آپ کرنا نہیں چاہتے دوسرا آپ قیلولہ کرنا چاہتے ہیں مگر آپ کے پاس وقت نہیں ہوتا۔تیسرا دور جب آپ قیلولہ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے پاس وقت بھی ہوتا ہے مگر نیند نہیں آتی''۔پھر ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔''اس عمر میں بندہ خدا کو یاد کرتا ہے مگر چاہتا ہے کہ خدا اسے یاد نہ کرے۔''شیطان کے تعلق میں مزاح نگاروں نیبہت مزاح تخلیق کیا ہے شفیق الرحمن کے مخصوص کردار کا نام ہی شیطان ہے۔کئی مضامین کا عنوان ہی شیطان اور اس کے متعلقات پر مبنی ہے۔یونس بٹ کی ایک کتاب کا نام ہی شیطانیاں ہے۔

پُرحکمت مزاح کے تحت ادب سے متعلق مزاح کا ذکر کر کے اس موضوع کو ختم کرتے ہیں۔مشتاق یوسفی کہتے ہیں۔''محاورے تو زبان کے بڑھے ہوئے ناخن ہوتے ہیں''۔اس بارے میں یونس بٹ کی چھیڑ خانیاں دیکھیئے۔لکھتے ہیں:

''کہانی،افسانے یا حقیقت میں یہ فرق ہے کہ کہانی یا افسانہ بے تکا نہیں ہوتا''۔رائٹر خوابوں کے محل بناتے ہیں قارئین ان میں رہتے ہیں۔اور پبلشر اُن کا کرایہ وصول کرتے ہیں۔''اور مولانا شبلی کی تحریری خاصیت کے بارے میں مشتاق یوسفی لکھتے ہیں:

''شبلی پہلا یونانی تھا جو مسلمانوں میں پیدا ہوا انہوں نے اردو رسم الخط میں عربی لکھی۔ان کی نثر کا مطالعہ کرنا ایسا ہے جیسے دلدل میں تیرنا''اور علامہ اقبال کی اردو شاعری پر پطرس بخاری کا جامع تبصرہ قابلِ غور ہے۔''علامہ اقبال نے اردو میں مردانہ شاعری کو رواج دیا''یونس بٹ کے اس جملہ پر موضوع ختم کرتے ہیں''سب شاعر بُرے ہی نہیں ہوتے کچھ بہت بُرے ہوتے ہیں۔

مزاح نگاری کے مختلف حربے:

مزاح نگاری کے مختلف طریقے ہیں ان طریقوں کو حربے کہا جاسکتا ہے۔ان حربوں کی فہرست بہت طویل ہے۔اردو مزاح نگاری کے ابتدائی نمونوں میں شروع کے دو حربے ہی زیادہ تر استعمال ہوتے تھے۔لیکن آہستہ آہستہ باقی حربے پہلے دو حربوں پر چھائے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔شاید اس طرح انگریزی ادب سے متاثر ہو کر ہوا

۔بہرحال ایک کامیاب مزاح نگار اسے گردانا جاتا ہے جو موقع محل کی مناسبت سے ہر حربہ کا استعمال کرنا جانتا ہو اور یہی چیز اس کا اسلوب کہلاتی ہے ۔ ہر حربہ کا مختصر ذکر حسبِ ذیل ہے۔

مزاحیہ صورتِ واقعہ:

اس میں کسی غلطی، غلط فہمی یا اتفاقِ وقت کا سہارا لے کر مزاحیہ صورتِ حال پیدا کی جاتی ہے ۔لیکن عملی مذاق سے بہت کم کام لیا جاتا ہے ۔اس حربے کے لئے پطرس بخاری اور اس کے بعد امتیاز علی تاج کا نام بہت مشہور ہے ۔اس کی عمدہ مثال ان کا مضمون ''مرحوم کی یاد میں'' ہے ۔دورِ حاضر میں مشتاق یوسفی کا ایک جملہ غور فرمایئے ۔'' کراچی کے ایک مزار کے بارے میں جو ہمارے سامنے پر ہوا ہے باعلان یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں ۔کہ اس کے متعلق ہر چیز شریف ہے سوائے صاحبِ مزار کے'' اور عطاء الحق قاسمی ایک کالم میں لکھتے ہیں'' رومی اب چاہتا ہے کہ خالد احمد کی گفتگو نہ سنے تو گفتگو کے دوران آلہ سماعت کان سے نکال دیتا ہے ۔ بلکہ جب زیادہ زچ ہو جائے اور خالد احمد کہ شکل نہ دیکھنا چاہے تو تو عینک بھی اُتار کر پرے رکھ دیتا ہے ۔کہ بچو پہلے تو آواز نہیں آرہی تھی اب تصویر بھی نہیں آرہی'' ۔اور شعری شکل میں دلاور فگار کا یہ قطعہ ملاحظہ ہو۔

کسی شاعر نے اک محفل میں نوے شعر فرمائے ۔ردیف، قافیہ یہ تھا

دعا کردے، دوا کردے

کہیں مقطع نہ پا کر سامع نے یہ دعا کردی:

الہ العلمین! اس قید سے مجھ کو رہا کردے

اس موضوع کو عطاء الحق قاسمی کے اس اقتباس پر ختم کرتا ہوں اللہ مجھے معاف کردے میں نے کافی جھوٹ بول لیا ہے لہٰذا آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ ابھی دوسروں کی باری ہے'' ۔

مزاحیہ کردار نگاری:

اُردو مزاح نگاری میں انگریزی ادب سے متاثر ہو کر مزاحیہ کردار سازی کا کافی رواج رہا ہے ۔یہ ایک قسم کی تحریف بھی ہوتی ہے ۔بعض نقاد اسے مزاح نگار کا ہمزاد بھی کہتے ہیں ۔یعنی جو بات وہ خود نہیں کہہ سکتا یا کہنا نہیں چاہتا وہاں اپنے ہمزاد کو آگے کر دیتا ہے ۔'' داستان امیر حمزہ'' کا'' عمرو عیار''، رتن ناتھ سرشار کا'' خوجی''، امتیاز علی تاج کا'' چچا چھکن''، شفیق الرحمن کا'' شیطان'' مشتاق احمد یوسفی کا'' مرزا عبدلودود بیگ''، اشفاق احمد کا'' تلقین شاہ'' اور ڈاکٹر محمد یونس بٹ کا'' ف'' اس کی کامیاب مثالیں ہیں ۔کامیاب مثالی کردار تخلیق کرنا کافی مشکل کام ہے ۔لیکن اگر تخلیق ہو جائے تو مزاح نگار کا کام آسان ہو جاتا ہے ۔واضح رہے کہ مزاحیہ کردار مسخرہ نہیں ہوتا ۔وہ غیر شعوری طور پر ایسی حرکات سرانجام دیتا ہے ۔جو ہنسی کو سر انجام دیتی ہیں ۔اس میں خاص قسم کی ناموزونیت پائی جاتی ہے ۔مزاح نگاروں کے مخصوص مزاحیہ کرداروں کے علاوہ چند مخصوص افراد سے اکثر و بیشتر مزاحیہ کردار نگاری کا کام لیا جاتا ہے ۔جس میں فلسفی، پروفیسر اور زن مرید شوہر کافی مستعمل ہیں ۔فلسفی کی حالت زار کی نقشہ آرائی میں یا لوگوں نے خوب مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے ۔ایسے ایسے لطیفے مشہور ہیں جن کی پلکیں بھی سفید ہو گئی ہیں ۔یونس بٹ کہتے ہیں'' یادداشت ایسی کہ راستے میں کھڑے ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ محبوب سے مل کر آئے ہیں یا ملنے جا رہے ہیں ۔'' اور مجازی یا مزاجی خدا یعنی شوہر کے بارے میں ضمیر جعفری فرما گئے ہیں:

جانِ محفل تھا خدا بخشے ضمیر
اب تو اک عرصہ سے شوہر ہو گیا

مبالغہ آرائی یا خیالی مزاح

یہ کافی مشکل کام ہے ۔اور ذرا سی بے احتیاطی ایسے مزاح کو ادبی معیار سے گرا سکتی ہے ۔مشتاق احمد یوسفی میں ایسے مزاح کی صلاحیت بدرجہ اتم نظر آتی ہے ۔شعری نمونے کے طور پر سرفراز شاہد کا یہ شعر دیکھیئے:

مٹن اور دال کی قیمت برابر ہو گئی جب سے
یقیں آیا کہ دونوں میں حرارے ایک جیسے ہیں

قول محال سے مزاح:

جو بات دیکھنے میں باطل معلوم ہو لیکن حقیقت میں حق ہو یعنی بعید العقل بات ۔بظاہر ناممکن اور مشکل بات لیکن غور کرنے پر درست معلوم ہو ۔اُردو مزاح نگاری میں اس کے بعض عمدہ نمونے موجود ہیں ۔مشتاق احمد یوسفی لکھتے ہیں ۔'' جو بات عقل و منطق کے ذریعہ ذہن میں داخل نہیں ہوئی ۔وہ عقل و منطق سے کیسے نکالی جا سکتی ہے ۔تو ہم کے کارخانے میں دستور نرالا ہے ۔ یاں وہی ہے جو اعتبار کیا'' یونس بٹ کہتے ہیں ۔'' پیدائش کے وقت انسان روتا ہے اور لوگ ہنستے ہیں لیکن مرتے وقت سب رو رہے ہوتے ہیں اور مرنے والے کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ہوتی ہے کیونکہ وہ زندگی کا ایک لمبا سفر ختم کر کے منزل مقصود پر پہنچ چکا ہوتا ہے ۔'' اور لکھتے ہیں'' معاف کر دینے سے سخت انتقام اور کیا ہو سکتا ہے ۔کہ آپ یکدم مدمقابل کو گھٹیا اور خود کو عالی ظرف ثابت کر دیتے ہیں ۔'' مزید لکھتے ہیں'' فطرت کتنی مستقبل بین ہے جس نے اس وقت ناک کان بنائے جب ابھی عینک ایجاد نہیں ہوئی تھی'' ۔یونس بٹ کا ایک اور نمونہ

ملاحظہ ہو" کوئی پوچھے جنت میں جانے کے لئے کیا کرنا پڑتا ہے؟ سب سے پہلے مرنا پڑتا ہے" اور رئیس امروہی کے ان اشعار پر اس بات کو ختم کرتے ہیں۔

نہ کر افلاس و ناداری کی تعریف
نہ دے قولِ بزرگاں کے حوالے
اگر سرمایہ داری امتحاں ہے
خدا اس امتحاں میں سب کو ڈالے

بذلہ سنجی

یہ ہجو پھبتی، فقرہ بازی اور برمحل حاضر جوابی کی ادبی شکل ہے۔ جس کے لئے wit یعنی ذہانت وفراست بنیادی چیز ہے۔ ورنہ یہ فوراً ادبی معیار سے گر کر بازاری اور نہایت قابل اعتراض چیز بن جاتی ہے۔ پنجاب کے بعض علاقوں میں یہ بدنام زمانہ "وقتی" یا "بختی" کے نام سے رائج ہے۔ اردو مزاح نگاری میں ڈاکٹر محمد یونس بٹ جیسے بسیار نویس تو ایک طرف رہے۔ مشتاق احمد یوسفی جیسے معتبر نام بھی اعتراض سے مبرا نہیں۔ بہر حال محتاط انتخاب پیش خدمت ہے۔ ایک محقق نے عورتوں کی لمبی عمر ہونے کی ایک وجہ یہ بتائی کہ عورتوں کی کوئی بیوی نہیں ہوتی۔ صرف شادیات ہی نہیں دیگر موضوعات پر بھی اُن کے بہت سے جملے قابل غور ہیں۔ مثلاً قلم کا شکوف سے زیادہ مفید ہے۔ واقعی کا شکوف آپ شلوار میں ازار بند تو نہیں ڈال سکتے۔" دیگر مصنفین میں رشید احمد صدیقی کا یہ جملہ دیکھیئے" مجھے اشعار یاد نہیں رہتے جو یاد رہتے ہیں وہ شعر نہیں رہ جاتے۔" اب ذرا مشتاق احمد یوسفی کی گلکاریاں دیکھیئے۔ لکھتے ہیں۔" حقہ پینے سے تفکرات پاس نہیں پھٹکتے بلکہ اگر تمباکو خراب ہو تو تفکرات پر کیا موقوف ہے کوئی بھی پاس نہیں پھٹکتا۔" املاء بدل کر یا املاء کے ذریعے صنائع بدائع کا استعمال.....مزاح کی سب سے عام اور عامیانہ پہلو دار صنف قرار دی گئی ہے۔ اس کا استعمال انتہائی چابک دستی اور ہنر چاہتا ہے۔ یہ اتنی سہل اور دلکش ہے کہ احتراز کے لئے بڑی قوت ارادی چاہیئے۔ انگریزی میں اس کے لئے PUN کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے لئے HUMOURS PLAY UPON WORDS کے الفاظ لکھے ہیں۔ یعنی الفاظ سے مزاح پیدا کرنا۔ گزشتہ بیس تیس سالوں میں اردو مزاح نگاری میں اس کا استعمال بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ شاید ڈاکٹر محمد یونس بٹ اس حربے کو سب سے زیادہ استعمال کرنے والے مزاح نگار ہیں۔ ان کی اکثر کتب میں یہ حربہ استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً غل دستہ، افرا تفریح، جوک در جوک، نوک جوک، مزاح پُرسی، حوائیاں، بٹ تمیزیاں وغیرہ۔ دوسرے مزاح نگار بھی اس سے کام لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جیسے مشتاق احمد یوسفی کی کتاب زرگزشت، عطاء الحق قاسمی کی کتان جس معمول اور جرم ظریفی وغیرہ۔ اس بارہ میں ڈاکٹر وزیر آغا کی یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے" رعایت لفظی سے مراد زبان و بیان کی بازی گری ہے۔ یعنی لفظ کو اس انداز سے استعمال کیا جائے کہ ناظر کو اس لفظ کے دو مختلف مطالب کا احساس ہو اس کے لئے جدت شرط ہے۔ ورنہ تکرار سے مزاحیہ کیفیت انحطاط پذیر ہو جاتی ہے۔" اب اس کے چند نمونے دیکھیئے۔ عطاء الحق قاسمی ڈاکٹر سلیم اختر کی خاکہ نگاری میں لکھتے ہیں" صبح سے شام تک وہ جتنی سائیکل چلاتے ہیں۔ اس کے مطابق اور سلیم اختر کو لازم و ملزوم نہیں بلکہ ظالم و مظلوم قرار دیا جا سکتا ہے۔" مشتاق احمد یوسفی کی ایک پھلجھڑی ملاحظہ ہو۔ ۲۵ فیصد اشعار وزن سے گرے ہوئے بقیہ تہذیب سے۔" شعر کے وزن کی بات آئی تو تو یونس بٹ کا شگوفہ ملاحظہ ہو۔" پہلے زمانوں کے شعراء کو دیکھ کر یہی کہہ سکتے تھے کہ وہ جتنا اپنے وزن کا خیال رکھتے ہیں۔ اتنا اپنے وزن کا خیال رکھتے تو شاعر کی بجائے صحت مند نظر آتے۔" ایک انکشاف کرنل محمد خان کرتے ہیں۔" وہ لوگ جنہیں غصہ روانی سے اور مسکراہٹ قبض کے ساتھ آتی ہو دراصل بڑے روگی ہوتے ہیں۔ یہ روگ دراصل باسوں اور ساسوں کو لگتا ہے۔" اوع شمیم حیدر کی تحقیق دیکھیئے۔" ساس اور داماد دونوں ایسے الفاظ ہیں کہ اُنہیں اُلٹا کریں تو ساس اور داماد ہی رہتے ہیں۔" اخیر میں ضمیر جعفری کی ایک شعری رعایتِ لفظی پیش خدمت ہے:

پوچھتے ہو ایشیا کا اور امریکہ کا فرق
جو ہمارے گھر میں ہے اُن کے عجائب گھر میں ہے

اور دلاور فگار کا شگوفہ ملاحظہ ہو:

ایک علامہ نے اظہارِ لیاقت یوں کیا
ملّتِ بیضا کے سامنے لکھ دیجیئے انڈے کی قوم

تحریف

آخری حربہ تحریف ہے۔ یعنی حروف کی ادل بدل کے ذریعہ مزاح پیدا کرنا۔ جس سے مفہوم بھی بدل جاتا ہے۔ گو اس کے لئے انگلش لفظ پیروڈی بھی مستعمل ہے۔ حالانکہ پیروڈی اور تحریف کے معنی میں قدرے فرق ہے۔ اُردو میں نثری اور شعری دونوں قسم کی تحریف موجود ہے۔ لیکن نثری کم اور شعری زیادہ ہے.....عام طور پر کسی مقبولِ عام نظم یا نثر کی تحریف ہی پسند کی جاتی ہے۔ اسطرح اقبال کے مختلف اشعار کی تحریفات کی گئی ہیں مثلاً بقول مجذوب چشتی۔

دو بجے تھے رات کے ہر سمت تھا گہرا سکوت
اور میں فرما رہا تھا مشقِ سخن
جاگ اُٹھی بیگم اچانک اور یہ کہنے لگی
تو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن، اپنا تو بن

اورانور مسعود کی یہ گلکاری ملاحظہ ہو:

بنتے تھے تیرے چار سو فی الحال چار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

اس غلب کی کئی مشہور غزلوں پر مختلف لوگوں نے طبع آزمائی کی۔ مدن موہن راز لکھتے ہیں:

دن کو سوتا ہے اور کہتا ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

اور کنہیالال کپور کی تحریف دیکھیئے۔

جان تم پر نثار کرتا ہوں
شرم تم کو مگر نہیں آتی

عاصی اختر کی سنیئے۔

نقل کرتے ہو کس دھڑلے سے
شرم تم کو مگر نہیں آتی
گو پروٹین دال میں بھی ہیں
پر طبیعت ادھر نہیں آتی
فیل تو میں بھی ہوا ہوں، ابا کو
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

مشتاق یوسفی کی یک فطری نثری شعری تحریف دیکھیئے:

''مٹاپے میں خرابی یہ ہے کہ تمام عمر کو گلے کا ہار ہوجاتا ہے۔
''تن کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں''

اور یونس بٹ کا کہنا ہے: ''ایک سیب کھاؤ اور ڈاکٹر کو بھگاؤ اور ایک پیاز کھاؤ تو سب کو بھگاؤ۔'' کسی قسم کی تحریف کے بغیر غزلوں سے ایک ایک مصرع لے لے کر اس طرح جوڑا جاتا ہے کہ وہ مزاح پیدا کرتا ہے۔

پتہ نہیں یہ تحریف کی تعریف پر پورا اترتا ہے کہ نہیں۔ بہرحال کنہیالال کپور کی ایک کوشش پیش خدمت ہے۔

دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے
گر نہیں میرے اشعار میں معنی نہ سہی

اختتام

مزاح نگاری کے مختلف حربوں کے تذکرے کے ساتھ یہ تحریر اختتام کو پہنچتی ہے۔ معیاری مزاحیہ تحریر میں موقع محل کی مناسبت کے کئی طریقے بیک وقت موجود نظر آتے ہیں۔ جو مصنف مختلف حربوں کے امتزاج سے اپنا خاص اسلوب بنانے میں کامیاب ہوجاتا ہے وہی کامیاب مزاح نگار ثابت تا ہے۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر ''اسلوب کے بغیر شاید انشائیہ نگار تو بنا جاسکتا ہے مگر کبھی بھی اچھا طنز نگار یا مزاح نگار نہیں بن سکتا۔'' مزاح وقتی شے ہے۔ قہقہہ، مسکراہٹ کے ساتھ ہی ختم ہوجاتا ہے اسے زندہ رکھنے کے لئے طنز کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اسی لئے طنز و مزاح کا مرکب بہت مستعمل ہے۔ البتہ طنز قدرے منفی چیز ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کسی کا دل دکھائے بغیر مزاح پیدا کرنا دقیق اور عظیم کام ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دیگر اصنافِ ادب کے مقابلہ میں بہت کم معیاری مزاح دستیاب ہے۔ اُردو کے بعض نقاد طنز و مزاح کو تیسرے درجہ کا ادب قرار دیتے ہیں۔ یعنی اوّل شاعری، دوم کہانی، سوم مزاح۔ اس کی بڑی وجہ شاید اردو ادبی زبان کا تہذیبی رکھ رکھاؤ ہے۔ کیونکہ ابتدا ہی سے اردو مزاح میں سوقیانہ یعنی بازاری پن نمایاں رہا ہے۔ لیکن پچھلے پچاس ساٹھ برسوں میں اردو ادب کی پہلی دوشاخوں کا دورِ شباب ڈھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جبکہ اُردو مزاح اپنی نئی جہتوں کے ساتھ ترقی پذیر ہوتا نظر آتا ہے۔ بہرحال اُردو مزاح میں ابھی تک کسی عظیم شاہکار کا انتظار ہے عدمؔ کے اس شعر کے ساتھ ختم کرتے ہیں:

تخلیق کائنات کے دلچسپ کھیل پر
ہنستا تو ہوگا آپ یزداں کبھی کبھی

(ماخوذ)

❀❀

معین احسن جذبی

ساقی و بادہ نہیں جام و لب جو بھی نہیں
تم سے کہنا تھا کہ اب آنکھ میں آنسو بھی نہیں

اختر الایمان

ترے گیسو، تری آنکھیں، ترے ابرو، ترے لب
اب بھی مشہور ہیں دنیا میں مثالوں کی طرح

جاں نثار اختر

اے چارہ گرانِ عصرِ حاضر
فولاد کا دل کہاں سے لاؤں

احمد ندیم قاسمی

عقل ہر بار دکھاتی تھے جلے ہاتھ اپنے
دل نے ہر بار کہا آگ پرائی لے لے

احمد فراز

موجیں ہیں مئے سُرخ کی یا خطِ دہن ہے
لب ہیں کہ کوئی شعلہ برگ علمی ہے

دنیا کی دل دُکھانے کی عادت نہیں گئی
اپنی بھی مسکرانے کی عادت نہیں گئی

اس خوبصورت شعر کے خالق مبارک صدیقی کا تفصیلی تعارف.....عاصی صحرائی لندن

تعلیم۔ایم اے انگریزی ادب۔اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور۔
شعری مجموعہ۔ روشنی کا سفر
پاکستان سے ہجرت۔۱۹۹۵ء

مبارک صدیقی صاحب لندن میں رہنے والے ایک سادہ سے اور پیار کرنے والے انسان ہیں۔آپ کی شخصیت کی طرح آپکی شاعری میں بھی سادگی، سلاست عاجزی اور پیار محبت ہی نظر آتا ہے۔زیادہ تر ادبی محفلوں میں سب سے پچھلی قطار میں سر جھکائے دوسروں کا کلام سننے کو ترجیح دیتے ہیں۔اپنا کلام چھپانے سے زیادہ چُھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔قندیل ادب کے اس ماہ کے شمارے میں ہم انکا تعارف پیش کر رہے ہیں۔''کلام طاہر'' کے مصنف مبارک صدیقی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں''آپکے بہت سے شعروں نے ایسی شمعیں جلا رکھی ہیں جن سے میرے دل کے بجھے ہوئے چراغ بھی روشن ہو گئے اور بہت سی نظموں نے ایسے راگ چھیڑے ہیں جنہوں نے میری عمر رفتہ کو آواز دی ہے۔۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''

پاکستان کے معروف شاعر انور مسعود صاحب مبارک صدیقی صاحب کے بارے میں کہتے ہیں:

''مبارک صدیقی ایک خوبصورت اور بھرپور شاعر ہے جو غزل بھی خوب کہتا ہے اور نعت بھی بہت خوب کہتا ہے۔ مجھے لندن میں اس محبت کرنے والے شاعر سے مل کہ از حد خوشی ہوئی ہے۔''معروف شاعر فرحت عباس شاہ لکھتے ہیں:

''مبارک صدیقی ایک بہت ہی شائستہ مزاج اور بے ساختہ شاعر ہے۔ مجھے برطانیہ کے پارلیمنٹ ہاؤس میں منعقد ہونے والے ایک مشاعرے میں مبارک صدیقی کو ملنے کا اور اسکا کلام سننے کا اتفاق ہوا۔ جہاں اسکا کلام سن کے بے حد خوشی ہوئی وہیں ایک بے حد عاجز اور خاکسار طبیعت کے پیار کرنے والے انسان سے مل کے دل شاد ہوا۔مبارک صدیقی کو ایک بار مل کے مجھے لگتا ہے کہ ہم دونوں ہمیشہ سے دوست ہیں''معروف شاعر رشید قیصرانی نے مبارک صدیقی صاحب کو اپنی نئی کتاب بھجواتے ہوئے کتاب کے پہلے صفحے پر لکھا:

''میری یہ کتاب خوبصورت اور شگفتہ گو شاعر اور عزیز دوست مبارک صدیقی کے لئے''

عظیم شاعر چوہدری محمد علی مضطر نے کہا:

''مبارک صدیقی شاعر نہیں بلکہ مجسم مشاعرہ ہیں۔''

انتخاب از کلام مبارک صدیقی

غزل

اُس ذات کو پایا ہے وفاؤں میں سمندر
وہ ذات، جو ہے اپنی عطاؤں میں سمندر

تم اُس سے کرامت کی توقع نہیں کرتے؟
وہ جس نے اُچھالے ہیں فضاؤں میں سمندر

اک اُس سے کرو ذکر کبھی تشنہ لبی کا
پڑ جائیں گے روتے ہوئے پاؤں میں سمندر

وہ نور ہے وہ نور کہ جگمگ ہوئے سورج
وہ پیڑ ہے، وہ پیڑ کہ چھاؤں میں سمندر

کہتے ہیں کہ ٹپکا تھا کسی آنکھ سے آنسو
آیا تھا جو بپھرا ہوا گاؤں میں سمندر

کس حال میں اک شخص مجھے چھوڑ گیا ہے
برسات ہے آنکھوں میں تو پاؤں میں سمندر

کچھ میں بھی طبیعت کا طلبگارِ وفا تھا
کچھ وہ بھی مزاجاً تھا جفاؤں میں سمندر

در پیش تھا دنیا میں مجھے درد کا صحرا
سو یاد رہا دل کو دعاؤں میں سمندر

کیا اُس کی محبت کا تصور ہو مبارک
رکھتا ہے محبت کے جو ماؤں میں سمندر

غزل

مانا کہ وہ بھی آج تک مانا تو ہے نہیں
ہم نے بھی اُسکے شہر سے جانا تو ہے نہیں

رکھی ہے کوئے یار کی مٹی سنبھال کے
اس سے بڑا زمیں پہ خزانہ تو ہے نہیں

کچھ لوگ تیرے شہر کے خنجر بدست ہیں
کچھ ہم نے باز عشق سے آنا تو ہے نہیں

کہتے ہیں لوگ اُن سے کہو جاکے حالِ دل
اب ہم نے اپنی جان سے جانا تو ہے نہیں
خانہ بدوش لوگ ہم دنیا کو کیا کریں
دنیا سے لے کے ساتھ کچھ جانا تو ہے نہیں
اک زخم زخم قوم سے درویش نے کہا
تم نے کسی کی بات کو مانا تو ہے نہیں
جرمِ وفا پہ لائے ہیں مقتل میں وہ ہمیں
اب اُن کے پاس اور بہانہ تو ہے نہیں
ملتے ہیں جس خلوص سے ہم ہر کسی کے ساتھ
ویسے یہ اس طرح کا زمانہ تو ہے نہیں
کچھ اس لئے بھی آج تک روٹھے نہیں ہیں ہم
آکے ہمیں کسی نے منانا تو ہے نہیں
اپنا سنا کے حال اُسے کچھ نہ پوچھنا
اُس کم سخن نے کچھ بھی بتانا تو ہے نہیں

☆

دل کسی کے پیار میں سرشار تھا ایسا کہ بس
اور پھر وہ بھی گل و گلزار تھا ایسا کہ بس
ایک تو دل ڈھونڈتا رہتا تھا کوئی غم شناس
دوسرے وہ شخص بھی غمخوار تھا ایسا کہ بس
ہم کہ آئے تھے خزاں کے شہر سے اُجڑے ہوئے
وہ کہ اک شاداب برگ و بار تھا ایسا کہ بس
میں نے اُس کے پاؤں میں دیوان اپنا رکھ دیا
وہ سراپائے سخن ، شہکار تھا ایسا کہ بس
آئینے رکھے ہوں جیسے چاندنی کے شہر میں
نوروں نہلایا رخِ انوار تھا ایسا کہ بس
پوچھتے ہو دوست کیا احوال وصلِ یار کا
ایک منظر خواب کے اُس پار تھا ایسا کہ بس
کیا نظارہ تھا مبارک آنکھ جگمگ ہو گئی
روبرو میرے وہ حُسنِ یار تھا ایسا کہ بس

☆

رضائے یار ہے جب انتہاء تو غم کیا ہے
اگر جدائی تھی اُسکی رضا تو غم کیا ہے
یہ دل یہ جان یہ دیوان سب اُسی کا ہے
جو ایک زخم ہے اُسکی عطاء تو غم کیا ہے
ابھی ہیں لوگ کچھ سقراط کے قبیلے سے
چلی ہے شہر میں رسم جفا تو غم کیا ہے
پھر اس سے کیا کہ مقابل ہے کون صف آراء
ہے ساتھ ساتھ جب اپنے خدا تو غم کیا ہے
ہے انکے ساتھ بھی لشکر جفا پرستوں کا
ہے اپنے ساتھ بھی تیری دعا تو غم کیا ہے
انہیں بھی زعم ہے کچھ دشمنی نبھانے کا
ہمیں بھی ناز ہم اہل وفا تو غم کیا ہے
وصال یار کا رستہ ہے قتل گاہوں سے
سو آگیا ہے اگر کربلا تو غم کیا ہے
یہ اور بات ہے یہ لکھ کے ہم بہت روئے
وہ ہو گیا ہے اگر بے وفا تو غم کیا ہے

☆

کچھ دل کو ہیں آزار ذرا اور طرح کے
کچھ وہ بھی ہیں غمخوار ذرا اور طرح کے
کچھ حُسنِ مسیحا بھی زمانے سے الگ ہے
کچھ ہم بھی ہیں بیمار ذرا اور طرح کے
ساقی نہ پلا جام کہ سچ بات تو یہ ہے
ہم لوگ ہیں مے خوار ذرا اور طرح کے
یوں خواب نہ بیچو کہ یہاں شہرِ جفا میں
بیٹھے ہیں خریدار ذرا اور طرح کے
اک صبر کا حیلہ ہے تو اک ڈھال دعا کی
اپنے تو ہیں ہتھیار ذرا اور طرح کے
محشر میں ہمیں بخش دیا اُسنے یہ کہہ کر
ہوتے ہیں گناہ گار ذرا اور طرح کے
سنتے ہیں مبارک کو کوئی چوٹ لگی ہے
کہتا ہے وہ اشعار ذرا اور طرح کے

غزل

جنگ ہے لڑنی ہمیں چنگیزوں، شب زادوں کے ساتھ
رات کے پچھلے پہر سجدے میں فریادوں کے ساتھ

طائروں کی، آشیانوں کی، خدایا خیر ہو
باغباں دیکھے گئے ہیں پھر سے صیادوں کے ساتھ

وہ اگر تاریخ پڑھ سکتے تو یہ بھی جانتے
جیت جذبوں سے ہوئی ہے نہ کہ تعدادوں کے ساتھ

بالیاں سونے کی اُگتی ہیں وہاں ہر ڈال پر
کھیت جو سینچے گئے ہوں عشق کی کھادوں کے ساتھ

ہم ہیں سادہ دل، مگر ایسے بھی سادہ ہم نہیں
چار دن ہم بھی رہے ہیں اپنے اُستادوں کے ساتھ

چشمِ حیراں، غم زدہ یہ دیکھتی ہے روز و شب
کیا کیا انسان نے، انساں کی اولادوں کے ساتھ

بات کرتے ہیں، ہوا کو، مصلحت کو دیکھ کر
کیا گِلہ کوئی کرے اب ایسے نقادوں کے ساتھ

آؤ اشکوں سے وضو کرکے اُسے ملنے چلیں
وہ سُنا ہے، پیار سے ملتا ہے بربادوں کے ساتھ

غزل

سجا کے آنکھوں میں خواب رکھنا
وفا کے رشتے گلاب رکھنا

فصیل شب میں چراغ بن کے
یہ زندگی ماہتاب رکھنا

سجا کے آنکھوں میں خواب رکھنا
یوں عشق کا امتحان دینا

کہ دل کے بدلے میں جان دینا
جو چاند چھونے کی آرزو ہے

تو جستجو لاجواب رکھنا
سجا کے آنکھوں میں خواب رکھنا

ہزار باتیں بنائے دنیا
ہزار دل کو دکھائے دنیا

بھلا کے ساری اذیتوں کو
اُٹھا کے کانٹے گلاب رکھنا
سجا کے آنکھوں میں خواب رکھنا

کبھی زمانے سے چھپ چھپا کے
سکوت شب میں دیا بجھا کے
ہتھیلیو ں کو دعا کی شمع
تو آنکھ اپنی چناب رکھنا
سجا کے آنکھوں میں خواب رکھنا

عداوتیں بھی خدا کی خاطر
محبتیں بھی خدا کی خاطر
عداوتیں بس گنی چنی ہوں
محبتیں بے حساب رکھنا
سجا کے آنکھوں میں خواب رکھنا

غزل

وصالِ یار کو جانا تو ہو کے باوضو جانا
مجسم باادب رہنا سراپا آرزو جانا

نگاہ یار وہ شے ہے جو زرے کو بھی زر کردے
اُٹھائے خاک سے اور شہر بھر میں معتبر کر دے

عقیدت کے جلائے دیپ اُسکے روبرو جانا
وصالِ یار کو جانا تو ہو کے باوضو جانا

یہ ممکن ہے کہ رستے میں کہیں پہ ابتلاء آئے
کہیں لشکر مخالف ہو کہیں ظالم ہوا آئے

ادھر تیر ستم آئے ادھر سنگِ جفا آئے
یہ ممکن ہے کہ رستے میں کہیں پہ کربلا آئے

وہاں ثابت قدم رہنا وہاں سے سرخرو جانا
وصالِ یار کو جانا تو ہو کے باوضو جانا

جو دانہ خاک میں ملنے کو بھی تیار ہوتا ہے
وہی اک دن گلابوں کی طرح گلزار ہوتا ہے

اگر دینا پڑے جاتے ہوئے دل کا لہو جانا
وصالِ یار کو جانا تو ہو کے با وضو جانا

مجسم با ادب رہنا سراپا آرزو جانا

دُنیا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

دنیا تجھ سے ظاہر کرتی ہے کہ تیرے ساتھ وفا کرے گی اور کسی کے پاس نہ جائے گی۔ اور فوراً تجھے چھوڑ کر تیرے دشمن کے پاس چلے جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ گویا وہ ایک بیسوا ہے جو مردوں کو لبھاتی ہے۔ اپنا عاشق بناتی ہے۔ تب اپنے گھر لے جاتی ہے۔ اور موت کا مزہ چکھاتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے دنیا کو کشف میں ایک بڑھیا عورت کی صورت میں دیکھا۔ پوچھا تو نے کتنے خاوند کئے کہا کہ اس کثرت سے کہ شمار نہیں پوچھا وہ مر گئے یا طلاق دی۔ کہنے لگی میں سبھی کو مار ڈالا۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا ان احمقوں سے۔ کہ دیکھتے ہیں کہ تو نے اوروں کے ساتھ کیا سلوک کیا اور یہ احمق لوگ پھر تیری طرف آنے سے نہیں رُکتے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

چاند زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے۔ ہماری زمین کی ثقل کشش چاند سے چھ گنا زیادہ ہے۔ چاند کی فضا کسی بھی قسم کی گیس سے پاک ہے۔ پہلے کسی وقت میں چاند پر ہوا اور پانی موجود تھے۔ لیکن قدرت نے اسے بالکل بنجر کر دیا چاند کی عمر زمین سے کہیں زیادہ ہے۔ چاند کی روشنی ہماری زمین تک ڈیڑھ سیکنڈ میں اور سورج کی روشنی سوا آٹھ سیکنڈ میں پہنچتی ہے۔ چاند پر قدم رکھنے والا پہلا انسان نیل آرمسٹرانگ تھا۔ اس نے ۲۰ جولائی ۱۹۶۹ء کو چاند پر قدم رکھا خلائی جہاز اپالو ۱۱ کے ذریعے چاند تک پہنچنے والے آرمسٹرانگ، کولن اور آلڈرن تھے۔ چاند کی مٹی کا رنگ سُرمئی ہے۔ چاند کا قطر ۲۱۶۳ میل ہے۔

❀❀

قابل اجمیری.... مرسلہ: بشیر احمد رفیق

آبرو ہے قرینے والوں کی
اپنے لب آپ سینے والوں کی
مرنے والوں کو رو رہا ہے کیا
بے کسی دیکھ جینے والوں کی
بڑھ کے ساغر کو توڑ دے کوئی
رُوح تشنہ ہے پینے والوں کی
ہم تو پروردۂ تلاطم ہیں
مشکلیں ہیں سفینے والوں کی
دل ہی ٹوٹیں گے جام کے بدلے
انجمن ہے قرینے والوں کی
زخمِ دل بھی ہنسی اُڑاتے ہیں
دامنِ چاک سینے والوں کی
ہم بہت یاد آئے ساقی کو
گفتگو تھی نہ پینے والوں کی
سہل کردی ہیں مشکلیں کتنی
مرنے والوں نے جینے والوں کی

❀

سرسیّد احمد خان

انسان کے قویٰ جب ضعیف ہو جاتے ہیں اور اعتدالِ مزاج درہم برہم ہو جاتا ہے تو وہ متعدد متضاد بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی حال اقوام کا ہوتا ہے تو کسی ایک چیز میں تنزّل نہیں ہوتا بلکہ مذہب، اخلاق، تعلیم، راستبازی، دیانتداری، سویلائزیشن، دولت، تمکنت، متانت، سب چیزوں میں تنزل ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اس کی اصلاح کے درپے ہوتے ہیں وہ حیران ہو جاتے ہیں کہ کس کس چیز کا علاج کریں:

''دل ہمہ داغ داغ شُد پنبہ کجا کجا نہم''

مگر جب غور کیا جاتا ہے تو بجز 'تعلیم و تربیت' کے اور کوئی اس کا علاج نظر نہیں آتا۔

❀

جوانی.....آفتاب احمد خاں

البم کے ایک روز میں پلٹا رہا تھا ورق
ماضی کی دُھندلی یادوں پھر ہو گیا میں غرق
ہردشت کی تھی خاک چھانی غرب سے تا شرق
کیا لوچ تھا اس جسم میں کیا شعلہ تھا کیا برق
جھپکی جو آنکھ دیکھ جوانی چلی گئی
روکا ہزار بار نہ مانی چلی گئی

☆

اک دیوی کو محبوبہ بنایا یونان میں
گوری سے اپنا دل لگایا انگلستان میں
گڑیا سی حسینہ کو پٹایا جاپان میں
ایک دیسی نے ٹھکرایا ہمیں پاکستان میں
بنتی میرے نواسے کی نانی چلے گئی
پاگل مجھے بھی کرکے دیوانی چلے گئی

☆

کالج کی لائبریری میں اک دیکھی خوبرو
دل میں اُٹھی امنگ کریں اس سے گفتگو
نہ آس پاس تھا ، کوئی خاموشی چار سُو
آیا پسینہ ، ڈوبا دل، ہوئے جوں ہی رُبرُو
ڈالا نہ اس نے دانہ نہ پانی چلی گئی
تھا جس کا نہ کوئی حُسن میں ثانی چلی گئی

☆

کیا تھا زمانہ تھے ہمیں سب محفلوں کی جان
کیا دبدبہ تھا، ولولہ تھا اور آن بان
بھرتے تھے پانی میرے آگے کئی پاٹے خان
لاتا کوئی چائے ،سگریٹ اور کوئی پان
عہد شباب کی وہ جولانی چلی گئی
تھی گفتگو میں جتنی روانی چلی گئی

☆☆

فراق گورکھپوری

ترا غم تو مری جانِ تمنا
تری صورت سے بڑھ کر دلرُبا ہے

نریش کمار شاد

دن گزارا تھا بڑی مشکل سے
پھر ترا وعدہء شب یاد آیا

ناصر کاظمی

رات بھر درد کی شمع جلتی رہی
غم کی لو تھر تھراتی رہی رات بھر

مخدوم محی الدین

اس حسن کا شیوہ ہے جب عشق نظر آئے
پردے میں چلے جانا شرمائے ہوئے رہنا

بے باک شاعر ''بخش لائلپوری'' کے متعلق بعض شعراء اور ادیبوں کی آراء

بخش لائلپوری

اے آر اچھوت

گوپی چند نارنگ اور بخش لائلپوری

گوپی چند نارنگ

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ بخش لائلپوری کی شاعری ایک بڑے ہی گہرے تفکر، مشاہدے، مثبت اندازِ فکر اور متاثر کُن لہجے کی شاعری ہے۔ اس میں رنگِ تغزل بھی اور انقلابی فکر بھی ہے۔ علائم اور تلازموں کا ایک خوبصورت نظام بھی ہے۔ شاعر کی غزل میں ایک شعر بھی دل کو چھونے والا مل جائے تو اس غزل کی بڑی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ لیکن میں یہ کہوں گا کہ بخش صاحب کی اکثر غزلوں میں دل کو چھونے والا ایک شعر تو کیا پوری کی پوری غزلیں نئے پن اور تازگی فکر سے عبارت ہیں۔ جن کی تہہ میں کئی مفاہیم اور کئی مطالب پوشیدہ ہیں۔ ان کی آواز شعری امکانات کی ایک پُر تجسس، گہری سوچ کی حامل اور محترم آواز متصور کی جائے گی۔ ان کا اپنا اسلوبِ بیان ہے۔ اور اپنا انداز ہے۔ اور ان کے کلام پر کسی کی چھاپ نہیں۔ جو شخص اس تہہ دار شاعری کو ایک پرت کی شاعری کہتا ہے اس نے یقیناً بخش لائلپوری کی شاعری کو نہیں پڑھا۔ مجھے خوشی ہے کہ بخش لائلپوری نے شاعری کی ہے وقت ضائع نہیں کیا۔

ڈاکٹر رئیس، دہلی اور بخش لائلپوری

عہدِ حاضر کے تضادات کی بنیادی آویزشوں اور ان سے پیدا ہونے والی تلخیوں، محرومیوں، اور اُداسیوں، کا گہرا مشاہدہ کئے بغیر فکری ادب کی تخلیق ممکن نہیں۔ بخش لائلپوری نے نہ صرف ان تضادات کا گہرا مطالعہ کیا ہے بلکہ انہیں سمجھا بھی ہے اور پھر اپنے طرفہ انداز میں فنی مہارت اور چابک دستی کے ساتھ شعری پیکر بھی عطا کیا ہے۔ بخش لائلپوری کی شناخت اُداس بسلوں کے ساتھ جذباتی اور فکری ہم آہنگی ہے جس کا تخلیقی مظہر ان کی غزلیں ہی نہیں نظمیں بھی ہیں۔ ''بادِ شمال'' کی تہہ دار شاعری اپنے مخصوص آہنگ میں یقیناً خنکی اور انجماد کی شاعری نہیں ہے۔ بلکہ یہ زندگی کی تمازت اور تحرک کی شاعری ہے جس کی خوشبو اہلِ فکر و نظر کو اپنی جانب کھینچتی ہے

عابد حسن منٹو اور بخش لائلپوری

بخش لائلپوری کا تیسرا مجموعہ کلام ''بادِ شمال'' بھی اسی روایت کا مظہر ہے جو اُن کے دوسرے مجموعوں کا طرہء امتیاز ہے۔ یہ روایت تیسری دنیا کے مظلوم عوام کی آزادی، بہتر زندگی اور حسین مستقبل کی تمنا اور ان مقاصد کے حصول کے لئے جدوجہد سے عبارت ہیں۔۔ بخش لائلپوری تیسری دنیا کے مسائل کے بارے میں مجرد خیالات کا اظہار نہیں کرتے۔ آمریت، بنیاد پرستی، طبقاتی

استحصال اور انسانی قدروں کی پامالی کی ساری تصویر پاکستان کے حوالے سے ان کے اشعار میں موجود ہے۔اپنے وطن سے گہری محبت کا جذبہ ان کی مزاحمتی شاعری کو مثبت طرزِ حیات سے مزیّن کرتا ہے۔بے باقی اور راست بیانی کا بخش کی خصوصیت ہے ۔بخش لائلپوری کی شاعری ہم عصر شاعری کے تجریدی اور مبہم طرزِ اظہار سے پاک ہے ۔کلاسیکی اسلوب نے بھی انہیں مغلوب نہیں کیا۔ان کی شاعری کا اپنا لب ولہجہ ہے اپنا آہنگ ہے ۔جدّتِ فکر سے عبارت ان کی غزل نظریئے اور فن کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔

منیر نیازی اور بخش لائلپوری

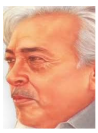

شاعری نظریات کی پابند نہیں ہوتی۔یہ تو مروجّہ نظریات سے آگے جا کر نئے نظریات کو دریافت کرنے کا عمل ہے۔یہ فکر جس کی پابندی میں آج ہم ہیں کل کہاں تھا۔؟کل کی بود و باش میں کچھ خرابیاں آج میں بھی ہوسکتی ہیں۔ایک طرزِ احساس ایک اندازِ حیات مرورِ ایام میں کبھی بہتر صورت میں خلقِ خدا کو دکھاتے ہیں اور انسانی معاشرے کو خوبصورت رشتوں میں استوار کرتے ہیں۔بخش لائلپوری کی فکر اجتماعی شعور کی آئینہ دار ہے۔اور ان کی شاعری میں کچھ گزشتہ سے پیوستگی اور کچھ آئندہ کا نیا پن دو زمانوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ایک اندازِ زندگی سے گہری وابستگی اور اس کے ساتھ تخلیقی تحرّک۔۔۔تخلیقی فن کی پاسداری،اجداد سے وفاداری اور ان کی میراث کو اور زیادہ خوبصورت لب ولہجہ بیان کرنے کی شعوری پختگی اور تمنا، یہ چاروں صفات بخش لائلپوری کے کلام کی اصل ہیں۔اور اُن کے اظہار کا خاصہ ہیں۔

فیض احمد فیض اور بخش لائلپوری

بخش لائلپوری بلا شبہ ہمارے محنت کش طبقے کے ترجمان ہیں۔لندن میں قیام پذیر ہیں اور روزگار کی مشقت کے ساتھ مشقِ سخن بھی کرتے ہیں ۔بخش لائلپوری نے دستکاری بھی اپنی کوشش اور طلب سے سیکھی۔شاعری بھی اپنے مطالعے اور لگن سے۔اس نے اب اپنی حدیثِ دلبہت ہی موزوں عنوان سے ترتیب دی ہے۔مجھے اس مجموعے کے مطالعے سے بہت مسّرت بھی حاصل ہوئی ہے اور لطف اندوز بھی ہوا ہوں۔اس لئے کہ یہ ایک حساس دل کی سچی آواز ہے۔جس کا نوا سنج نہ صرف عصری تقاضوں سے بہرہ ور ہے بلکہ اپنی پُرخلوص فکر کے جذبہ کے اظہار کو بھی مقدّم سمجھتا ہے۔بخش لائلپوری نیا اُردو شاعری کی مرّوجہ ادبی زبان استعمال کی ہے۔اور ان کے کلام کا مزاج عوامی شاعری کا ہے۔سادگی، بے باکی، صداقت اور بے ساختگی جو اس نوع کی شاعری کا خاصّہ ہے۔بخشؔ کے کلام میں آپ کو ملے گی اور لطف دے گی۔''فریاد کی کوئی لے نہیں ہے''

ڈاکٹر انور سدید اور بخش لائلپوری

بخش لائلپوری جذبے کی حسرت میں سلگنے والے شاعر ہیں لیکن واضح رہے کہ ان کے جذبے کا الاؤ حسنِ خوش نظر کو دیکھ کر نہیں سلگتا۔وہ انسان کے ساتھ وابستگی کے شاعر ہیں۔اور جہاں بھی ان کو انسانیت پا بجولاں نظر آتی ہے وہ جذباتی شعریت سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔اور اس کا تجزیہ شاعری میں کرتے ہیں۔بخش لائلپوری غزل کے پیکر میں آتشِ سیال کو ترقی پسندانہ اندازِ فکر میں سمونے والا شاعر ہے۔اور ہم اسے آسانی سے کیفی اعظمی،علی سردار جعفری،حبیب جالب،احمد فراز،محسن بھوپالی اور ظہیر کاشمیری کی صف میں کھڑا کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر عقیل رضوی صدر شعبہ اُردو، الہ آباد یونیورسٹی اور بخش لائلپوری

بخش لائلپوری کی تازہ ،توانا اور تہہ دار شاعری کسی سرٹیفکیٹ کی محتاج نہیں ہے۔موجودہ دور کے اکثر شعراء اپنے مافی الضمیر تلمیحات کے گورکھ دھندے میں کچھ اس طرح اُلجھ کر بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے کوئی راستہ کھلا نہیں چھوڑتا۔یہ بڑے حوصلے کی بات ہے میری دلی خواہش ہے کہ۔اور بخش لائلپوری کی یہ خوبصورت احتجاجی اور موثر آواز انگلستان کی فضاؤں میں ہی دب کر نہیں رہنی چاہیئے اسے سات سمندر پار جانا چاہیئے۔

پروفیسر امین مغل اور بخش لائلپوری

بخش لائلپوری خال خولی مجرّد انسانیت دوستی کے سنگِ مرمر سے بیزار ہے۔وہ محنت کی بنیاد پر بٹی ہوئی انسانیت میں اپنا رشتہ ان لوگوں سے جوڑتا ہے جو مادّہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے بارے میں حکم نہیں دیتے بلکہ اُسے خود منتقل کرتے ہیں۔اس کی یہی دھڑے بندی،مثبت سوچ،پیرایہ اظہار، برہنہ گفتاری،موثر لہجہ اور مصلحت نا شناسی جسے وہ شاعری ہی میں نہیں،عام زندگی میں شدّت کے ساتھ برتتا ہے۔بخش لائلپوری کو ایک تشخص عطا کرتی ہے۔بخش لائلپوری نے غزل کے تنگ مکان میں ڈکشن کے نئے،تازہ اور غیر مانوس پھول سجائے ہیں۔اور وہ اسلوبِ بیان کی نئی راہوں کا متلاشی ہے۔اس کی آواز میں تیکھا پن ہے انوکھا پن ہے اور توانائی ہے۔بخش لائلپوری غریبوں کا شاعر ہے اور اسی لئے وہ فکری طور پر مالا مال ہے'' لہو کا خراج'' اس بات کا ثبوت ہے۔

بخش لائلپوری کا کلام

حرص و ہوس کے بازاروں میں جسم و جاں نیلام کریں
رزق کی خاطر شاہیں بچے کرگس کو پر نام کریں

وقت کی دیمک چاٹ گئی ہے سایہ دار درختوں کو
دھوپ میں ہم کس پیڑ کے نیچے پل دو پل آرام کریں

قریہ قریہ دھوم مچی ہے ثمر جہاں کے خنجر کی
آؤ ہم بھی سر کٹوا کر رسمِ حُسینیؑ عام کریں

حرف و بیاں کا ایک سلگتا شہر ہمارے اندر ہے
رزم گہہِ ابطال میں روشن صدقِ بیاں کا جام کریں

☆

منزلوں نے سوچا ہے فاصلوں نے دیکھا ہے
حشر کاروانوں کا راستوں نے دیکھا ہے

حق پرست دنیا میں روز سُولی چڑھتے ہیں
فائلوں میں لکھا ہے منصفوں نے دیکھا ہے

ساری دنیا جانے ہے نقشہ گھر کے باہر کا
آنگنوں کا پس منظر روزنوں نے دیکھا ہے

ناخدا سے کیا پوچھیں ناخدا کو کیا معلوم
ڈوبتے سفینوں کو پانیوں نے دیکھا ہے

قاتلوں کے ہاتھوں کو پھانسیوں کے پھندوں کو
گردنوں نے ناپا ہے مقتلوں نے دیکھا ہے

بارشوں کی باتیں تو مصلحت کی باتیں ہیں
پیاس کی زمینوں کو بادلوں نے دیکھا ہے

بخشؔ کون پڑھتا ہے تیری سچی تحریریں
جو قلم نے لکھا ہے کاغذوں نے دیکھا ہے

☆☆

جگرؔ آسان نہیں آباد کرنا گھر محبت کا
یہ اُن کا کام ہے جو زندگی برباد کرتے ہیں

جگر مرادآبادی

میرا وطن.....عاصی صحرائی لندن

رزق حرام جن کا طعام ہو جائے
رزقِ حلال جب خیالِ خام ہو جائے

پندار و رعونت کا پیکر ہر پیرِ معناں
جب اس پبلک کا امام ہو جائے

مسجد میں درسِ فقیری اور
حجرے میں عیش عام ہو جائے

سارق بنے رہبر، اور پیر
بدوش اسلحہ بے لگام ہو جائے

دین مبیں کی مسند پر جب
بے دینوں کا قبضہ عام ہو جائے

ہر دل میں تعصبِ زہر
جنوں کا شہرہ عام ہو جائے

ہر علم وادب کے مکتب پر
جہالت کا قبضہ سرِ شام ہو جائے

سب فسق و فسوں کی محفل ہو
ہر سُو مہ و جام عام ہو جائے

چہروں پہ ریا کی داڑھی ہو
منہ پہ رام رام ہو جائے

اخلاق کی مردہ لاشوں پر
حرص و ہوس کا پہرہ دوام ہو جائے

ہر سانس لینا مشکل ہو
موت جہاں آسان کام ہو جائے

عالم جہاں ظالم ہوں
ابلیس ہر جگہ احکام ہو جائے

عذاب آتا ہے خدا کا وہاں
جب ہر گناہ طشت از بام ہو جائے

❀❀

کیا تجھ کو پتہ، کیا تجھ کو خبر، دن رات خیالوں میں اپنے
اے کاکل گیتی ہم تجھ کو دن رات سنوارا کرتے ہیں

(مجروح سلطان پوری)

پاکستانی ایکسپریس ٹرین

مرسلہ: بی اے رفیق

بہت نازک اس گاڑی کا انداز روانی ہے
بڑی دلدوز اس کے ہر مسافر کی کہانی ہے
سفر کی ہر صعوبت اک بلائے ناگہانی ہے
روٹی ہے نہ سالن ہے نہ چائے ہے نہ پانی ہے
یہ ڈیزل کی بجائے ہر قدم پر جان کھاتی ہے
جوانی آدمی کی راستے میں بیت جاتی ہے
یہاں گل خان جتنے ہیں وہ سب پُرجوش بیٹھے ہیں
مگر پنجاب کے جو لوگ ہیں خاموش بیٹھے ہیں
کئی کچھ ہوش میں ہیں اور کچھ بے ہوش بیٹھے ہیں
کئی نعرہ بلب ہیں اور کفن بردوش بیٹھے ہیں
ہے بھیڑ اتنی کہ عزرائیل سے در تک نہیں ملتا
اسے بوگی میں گھسنے کا کوئی رستہ نہیں ملتا
ترس آتا ہے رہ رہ کر مجھے اُن ناتوانوں پر
پڑے ہیں بوجھ بن کر تھکے ہارے جوانوں پر
سلاخوں سے چمٹ کر جو کھڑے ہیں پائیدانوں پر
ہیں ان کی خانہ بربادی کے قصے آسمانوں پر
ہر اک جھٹکے پہ ٹانگیں کانپتی ہیں دم نکلتا ہے
سنبھل کر کوئی گرتا ہے کوئی گر کر سنبھلتا ہے
وہی گاڑی پہ قابض ہے اسی کا بول بالا ہے
وہ جس نے اپنے اک ساتھی کا کُرتا پھاڑ ڈالا ہے
ٹفن کھانے کا جس نے اپنے ہاتھوں میں تھام رکھا ہے
سمجھ لو فاقہ مستوں کے لئے وہ تر نوالہ ہے
کمر باندھے ہوئے لڑنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
جو اپنے ہیں جھپٹنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں
جو راہی ریلوے احکام کی تعمیل کر بیٹھے
وہ اپنے غم کی دورانِ سفر تکمیل کر بیٹھے
سکونِ قلب اپنا واصلِ تعجیل کر بیٹھے
کئی خوش بخت اپنی بیویاں تبدیل کر بیٹھے
مرا بیٹا شکورے کا نواسہ بن کے بیٹھا تھا
جو میرا تھا کبھی اس کا اثاثہ بن کے بیٹھا تھا

غزل

کام کو آدھا کر لیتے ہیں
عشق زیادہ کر لیتے ہیں

درد سے جب بھر جائے دل تو
اور کشادہ کر لیتے ہیں

پیار تو ہم بھی کرتے ہیں پر
وہ کچھ زیادہ کر لیتے ہیں

میں اور دشمن فرض کا اپنے
روز اعادہ کر لیتے ہیں

ہجر کی لمبی راتوں کو ہم
کاٹ کے آدھا کر لیتے ہیں

شاہ گرانا ہے سو آگے
ایک پیادہ کر لیتے ہیں

غم سے شادی کر کے سوچا
ایک سے زیادہ کر لیتے ہیں

عشق سے توبہ کرنے والے
پھر اک آدھا کر لیتے ہیں

ہم نے دور تو ہونا ہی تھا
آج ارادہ کر لیتے ہیں

تیری خاطر جنگ پہ فورا
دل آمادہ کر لیتے ہیں

تم تنہا کیا عشق کرو گے؟
آدھا آدھا کر لیتے ہیں

اب کوئی وعدہ نہیں کرنا
آج یہ وعدہ کر لیتے ہیں

تم کو عشق ہے، مجھ کو جلدی
سادہ سادہ کر لیتے ہیں

(عامر امیر)

رشحات قلم

اندلس کے بیالیس معروف تاریخ دان

محمد زکریا ورک (ٹورنٹو کینیڈا)

اندلس کے عالموں، ادیبوں، دانشوروں نے ہسٹری اور جغرافیہ کو بہت اہمیت دی، اکثر ایسے ہوا کہ تاریخ کی کتابوں کو قلم بند کرتے ہوئے انہوں نے دوسرے ممالک کے عوام، ان کی تہذیب وہاں کی معدنیات، دریاؤں، پہاڑوں، بڑی بڑی شاہراہوں، اور ٹوپوگرافی کے بارہ میں جغرافیائی معلومات بھی مہیا کیں۔ ایسی کتابوں کی مذہبی، انتظامی اور فوجی اہمیت کے پیش نظر اندلس میں عربی زبان میں پیدا ہونے والے لٹریچر کی یہ تصنیفات عمدہ مثالیں تھیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مذہب اسلام اور علم تاریخ کا روز اول سے چولی دامن کا ساتھ رہا کیونکہ جوں جوں اسلام پھیلتا گیا اس کی تاریخ قلم بند کرنے اہمیت بڑھتی گئی۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کی مقدس زندگی، آپ کے کارناموں، اور احادیث کو قلم بند کرنے کا کام شروع ہو گیا۔ سرکار دو عالم حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے حالات زندگی، جنگوں کے احوال اور فتوحات کو ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت کے پیش نظر مسلم ہسٹاریوگرافی کی بنیاد رکھی گئی۔ رفتہ رفتہ دوسرے عناوین پر بھی کتابیں لکھی جانے لگیں جیسے سیاسی اور فوجی تاریخ، ادبی تاریخ، ورلڈ ہسٹریز، کسی شہر یا علاقہ یا ملک کی تاریخ، دنیا کے آغاز سے لے کر مصنف کے زمانے تک کی تاریخ، ہم عصر تاریخ، خلفاء اور بادشاہوں کے حالات زندگی، بیوگرافیکل ڈکشنریز، شعراء کے حالات زندگی اور ان کے کلام کے نمونے، آپ بیتیوں پر مبنی کتابیں وغیرہ وغیرہ۔

مشرق کے اسلامی ممالک کی طرح اندلس میں بھی تاریخ کے موضوع پر کثیر تعداد میں کتابیں احاطہ تحریر میں لائی گئیں۔ یہ کتابیں مشرقی ماڈل کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھی گئیں۔ اندلس میں جو ہسپانو عربک ہسٹاریکل لٹریچر معرض وجود میں آیا اس کے ریفرنس تو بہت ملتے ہیں مگر افسوس کہ اس کا کثیر حصہ تلف ہو چکا ہے۔ جو لٹریچر محفوظ رہا ہے وہ مسودات کی صورت میں سپین کی مختلف لائبریریوں جیسے اسکوریال، میڈرڈ، ٹولیڈو۔ تیونس کی زیتونہ مسجد کی لائبریری۔ فیض (مراکش)۔ قاہرہ (مصر) اور یورپ کے بڑے بڑے شہروں کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ان مسودات کو محفوظ کرنے، ان کے مطالعہ سے جدید کتابیں لکھنے کے کام پر جن سکالرز نے کام کیا ہے ان میں چند معروف نام یہ ہیں: Dozy, Moreno, Nieto, Codera, Ribera, G. Palencia, Levi-Provencal, Abdullah Inan, Ihsan Abbas.

مشرق کے جن مسلمان عالموں اور تاریخ دانوں نے اندلس کی تاریخ اور اسماء الرجال پر قلم اٹھایا ان میں یاقوت (1229ء)۔ ابن الاثیر 1234ء)۔ ابن خلکان (1282) النویری (1332) کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ جن اندلسی علماء نے اندلس کی تاریخ قلم بند کی ان کو اس کی اہمیت کا خوب احساس تھا جیسے ابن حزم نے اپنی تصنیف مراتب العلوم میں تاریخ قلم بند کرنے کے فوائد اور نقصانات بیان کرتے ہوئے ہر شخص کی تعلیم میں اس کے مطالعہ کو ضروری قرار دیا۔ ابن حزم نے کہا کہ تاریخ ایک ایسا علم ہے جسے تمام لوگوں نے اپنایا ہے اس لئے جملہ اقوام میں سے کسی ایک قوم کا یہ درحقیقت طرہ امتیاز ہے۔

اندلس کے اکثر تاریخ دان دینی عالم، شاعر، فقیہ، گرائمرداں، سائنس داں یا مدبر سیاست داں ہوتے تھے۔ وہ تاریخ کے علاوہ اور موضوعات پر بھی خامہ فرسائی کر چکے ہوتے تھے۔ ان کا مرکز خیال اندلس ہی ہوتا تھا مگر مشرق کے اسلامی ممالک کے حالات جاننے کے لئے وہ وہاں کے سکالرز کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔ اگرچہ بعض ایک اندلسی تاریخ دانوں نے مشرق و مغرب کے حالات لکھ کر یونیورسل ہسٹری لکھنے کی بھی کامیاب سعی کی۔ تاہم عام طور پر اندلسی علماء نے جزیرہ نما سپین کی تاریخ لکھنا ہی مناسب سمجھی جس کا نہ صرف وہ حصہ بلکہ بعض واقعات انہوں نے خود رونما ہوتے دیکھے۔ علم تاریخ کی ایسی کتابوں میں جن موضوعات پر قلم اٹھایا گیا وہ درج ذیل ہیں: سپین کی فتح۔ امیہ خلافت کا دور 1031-711۔ ملوک لطوائف کا دور 1090-1031ء۔ المرابطون حکمرانوں کا دور 1147-1090ء۔ الموحد حکمرانوں کا دور 1248-1147ء۔ غرناطہ کی ناصریہ سلطنت کا دور حکومت 1492-1232ء۔ علماء اور دانشوروں کی خودنوشت سوانح عمریاں۔ عالموں کی یادداشتیں۔ شہروں یا علاقوں کی تواریخ۔ علم الانساب۔

اندلس میں بہت سے قابل ذکر، روشن خیال، تاریخ دان پیدا ہوئے ان میں سے ممتاز تاریخ دانوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

(1) عبدالمالک ابن حبیب

(وفات 845ء) اندلس کا اولین تاریخ داں تھا جسے کئی علوم پر عبور حاصل تھا۔ اسی لئے اس نے مختلف علوم پر کتب تصنیف کیں۔ اس نے کتاب تاریخ الکبیر لکھی جو دنیا کے آغاز سے شروع ہو کر مصنف کے دور حیات پر ختم ہوتی ہے۔ کتاب میں جملہ انبیاء کرام، نبی پاک ﷺ، آپ کے خلفاء کرام۔ سپین کی فتح۔ امیہ امراء یا خلفاء۔ اور جزیرہ نما سپین کے قدرتی وسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا مسودہ سپین کی اسکوریال لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کی دوسری تصنیف کتاب **المقتفیٰ من سیرت المصطفیٰ** ہے۔

(2) بنوالرازی

ایک معروف خاندان کے تاریخ دان تھے جن کے آباؤ اجداد ایران کے شہر رے (طہران کے پاس) سے آئے تھے۔ انہوں نے تاریخ کے موضوع پر متعدد قابل ذکر کتابیں لکھیں۔ محمد ابن موسیٰ الرازی (وفات 886ء) مشرق سے یہاں ہجرت کر کے آیا تھا۔ اس نے موسیٰ ابن نصیر کے سپین میں داخلہ اور اس کی فوج پر کتاب لکھی۔

(3) محمد کے بیٹے ابوبکر احمد الرازی

(936ء) کو سپین کے لوگ E l Cronista por excelecia (اشرف المؤرخین) کہتے تھے۔ اس کی تاریخ اندلس پر عربی میں کتاب تو تلف ہو چکی ہے البتہ اس کے پرتگیزی اور کاسٹیلین Castilian تراجم موجود ہیں۔ اس نے متعدد تاریخی کتابیں قلم بند کیں۔ ایک

اندلس کے امراء پر۔ایک اندلس کے ممتاز افراد کے شجرہ نسب پر۔ایک قرطبہ کے شہر پر۔ ایک اندلس کے بڑے بڑے شہروں، سڑکوں اور ان کی نمایاں خصوصیات پر۔ ان تمام کتابوں میں سے پہلی کتاب کا ترجمہ کا سٹیلین زبان میں La Cronica denominada del moro Rasis (Madrid 1850) محفوظ ہے۔

(4) احمد کے بیٹے عیسیٰ الرازی

نے اندلس کی جنرل ہسٹری اور اندلس کے حاجبوں (چیمبرلین) کی بیوگرافیکل ڈکشنری لکھی۔ بنوالرازی کی کتابوں سے مستند حوالے بعد میں آنے والے تاریخ دانوں نے بہت دئے۔

(5) یہاں تاریخ کی ایک معروف کتاب **اخبار مجموعہ** کا ذکر بھی ضروری ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔قیاس اغلب ہے کہ اسے ایک سے زیادہ عالموں نے قلم بند کیا ہوگا۔ یہ کتاب دسویں یا گیارہویں صدی میں لکھی گئی، اس کی کوئی خاص ترتیب بھی نہیں ہے۔

(6) ابن القطیہ

(وفات 997) مشہور تاریخ دان اور گرائمر کے ماہر تھے۔آپ کی کتاب تاریخ الاندلس میں 893-750 تک کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔اسے میڈرڈ سے گیانگوز de Gayangos نے 1858ء میں ایڈٹ کر کے شائع کیا۔سپینش میں اس کا ترجمہ 1926ء میں شائع ہوا جبکہ 1957ء میں بیروت سے اسے عبداللہ انیس الطباع نے شائع کیا۔ یہ کتاب دراصل تدریسی نوٹس پر مشتمل ہے جو ابن قطیہ کے کسی شاگرد نے قلم بند کئے تھے۔ کتاب سپین کی فتح سے شروع ہوکر امیر عبدالرحمن الثالث کے دور حکومت پر ختم ہوتی ہے۔ چند قابل ذکر واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں جیسے عبدالرحمن اول کے دور میں موطا امام مالک کا سپین میں رواج۔اس کے قاضیوں کے حالات۔الحکم اول کے دور حکومت کے قابل ذکر واقعات۔عبدالرحمن دوم کی علم پروری۔قرطبہ کی جامع مسجد کی توسیع۔سورج گرہن۔اندلس میں موسیقار، موجد، سائنس داں زریاب کا عراق سے ورود مسعود۔قحط سالی کے سال۔ابن حفصون کی بغاوت۔آپ کی دوسری اہم کتاب الافتاح الاندلس میں خلیفہ عبدالرحمن الثالث کے دور حکومت تک کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔کتاب التصریف الافعال گرائمر کی پہلی کتاب تھی۔

(7) گیارہویں صدی میں چند ایک ممتاز تاریخ دان پیدا ہوئے۔حسین ابن عاصم نے ابن ابی عامر کی سوانح عمری زیب قرطاس کی جس کا نام المآثر الامیریہ تھا۔

(8) اس صدی کا افضل ترین تاریخ دان ابومروان ابن حیان القرطبی (1076-988) حکومت میں سیکرٹری کے عہدہ پر فائز تھا۔اس نے قرطبہ میں انقلاب دیکھا اور طوائف الملوک کے دور حکومت کو پروان چڑھتے دیکھا۔اس نے گوناگوں موضوعات پر پچاس کے قریب معرکتہ الاراء کتابیں لکھیں لیکن اس کی شہرت دوام کی وجہ اس کی تاریخ کی کتابیں ہیں جن میں ہر بات کو بڑی تفصیل اور بصیرت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔تاریخ کے موضوع پر اس کی کتاب **المتین** ساٹھ جلدوں میں تھی اور **کتاب المقتبس فی تاریخ الاندلس** (اندلس کے مسلمان حکماء کی سوانح عمریاں) دس جلدوں میں تھی۔افسوس کہ المتین زمانہ کے بے رحم ہاتھوں خرد برد ہوگئی اور اس کے منتشر صفحات ابتک موجود ہیں۔المقتبس کی صرف تیسری جلد محفوظ رہ سکی جس میں عبدالرحمن الثانی اور الحکم دوم کے 974-970 تا کے دور حکومت کے واقعات درج ہیں۔یہ آخری بار پیرس سے 1937ء میں شائع ہوئی تھی اس کے بعد آنیوالے ہسٹورینز کے لئے دونوں کتابیں سٹینڈرڈ ریفرنس تھیں۔اس عرصہ میں کسی نا معلوم شخص نے ایک کتاب تاریخ عبدالرحمن الناصر لکھی جسے 1950 میں میڈرڈ سے Garcia Gomez نے ایڈٹ کر کے شائع کیا تھا۔

(9) خلیفہ الحکم الثانی

976-961 بہت بڑا عالم، رجال، انساب اور تاریخ کا ماہر تھا۔اس کے ساتھ محدث بھی تھا، اجلہ محدثین سے اس کو روایت کی اجازت حاصل تھی۔ان ذاتی اوصاف کے علاوہ اہل علم کا قدردان، علم پرور اور مطالعہ کا بے حد شوقین تھا۔اس نے قرطبہ میں 27 فری سکول جاری کئے تھے یہاں کی یونیورسٹی میں اس نے چیئر قائم کیں تھیں جن کیلئے پروفیسر مشرق کے اسلامی ممالک سے لائے جاتے تھے۔وہ بہت بڑا مبصر اور ناقد فن تھا۔اس کے شوق کتب بینی اور وسعت مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ کتب خانہ میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جو اس کی نظر سے نہ گزری ہو، یا جس کے حاشیہ پر اس نے مصنف کتاب کا نسب، اور سال وفات نہ لکھا ہو۔ بلکہ اکثر کتابیں ایسی تھیں جن کے سرورق یا حاشیہ پر کتاب کی نادر خصوصیات اس کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تھیں۔اس کی رائیل لائبریری میں چار لاکھ کتابیں تھیں جن کی کیٹلاگ چوالیس جلدوں میں تھی ہر جلد میں بیس فل سائز کے ورق تھے جن پر صرف کتاب کا نام اور کتاب کی مختصر تفصیل بیان کی گئی تھی۔کتب خانے کی وسعت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ عربی دیوانوں کی تعداد اس قدر تھی کہ کیٹیلاگ (فہرست) کے اسی صفحات صرف ان کے ناموں کی نذر ہوگئے تھے۔

اس نے ایک کتاب **تاریخ الاندلس** لکھی۔الحکم الثانی نئی اور نایاب کتب حاصل کرنے کیلئے سرکاری نمائندے مشرق کے ممالک میں بھیجا کرتا تھا مثلاً اس نے ایرانی شاعر الاصفہانی کے دیوان **کتاب الاغانی** کا پہلا نسخہ وصول کرنے کیلئے ایک ہزار دینار قاصد کے ذریعہ بھیجے تھے۔

(10) ابن حزم

کثیر التصانیف، طبع رسا اہل قلم تھا جس نے آٹھ ہزار اوراق پر مشتمل چار صد کے قریب زیب قرطاس کیں۔اس نے فلاسفی، تھیالوجی، علم الاخلاق، فقہ، شاعری، تاریخ اور ادب کو موضوع سخن بنایا۔اس کی کتاب **فصل والملل والنحل** کے مطالعہ سے اس کی جودت طبع، مشاہدے کی باریکی، اسالیب کے تنوع کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔یہ فن پارہ درحقیقت موازنہ ادیان پر دنیا کی پہلی کتاب ہے۔اس نے ادیان عالم کی تعلیمات کا مذہب اسلام کی

تعلیمات سے موازنہ کر کے اسلام کی فضیلت ثابت کی۔ فصل کے علاوہ جو کتابیں ابھی تک محفوظ ہیں ان میں کتاب العروس فی تواریخ الخلفاء فی الاندلس۔ جمہارات العرب۔ حجۃ الوداع (بیروت 1966ء ایڈیٹر محمود حقی)۔ جوامع السیرۃ (نبی پاک ﷺ کی سوانح عمری) جو 1970ء میں قاہرہ سے عباس نے ایڈٹ کر کے شائع کی تھی۔ انساب العرب میں اس نے معروف شخصیتوں کا شجرہ نسب بیان کیا بشمول سرور کائینات فخر موجودات ﷺ کے رشتہ داروں کی تفصیل، آپ کے صحابہ کرامؓ۔ خلفاء راشدہ اور ان کی اولاد۔ کتاب میں اس نے چیدہ چیدہ تاریخی واقعات بیان کر کے ان عرب قبائل کا ذکر کیا جو اندلس میں آ کر مستقل آباد ہو گئے تھے۔ اس نے علم الانساب کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ انسان کو اپنے والد، ماں اور ان کے تمام رشتہ داروں کا علم ہونا چاہئے تا شادی بیاہ اور وراثت کے معاملات میں یہ علم کام آ سکے۔ یہ کتاب 1963ء میں قرطبہ سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی تھی۔

(11) قاضی سعید اندلسی (1070)

طلیطلہ میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھا۔ کئی اقوام کی تاریخ پر ایک مبسوط کتاب لکھی جس کا نام جامع اخبار الامم تھا۔ یہ بیروت سے 1912ء میں منظر شہود پر آئی تھی۔ علم تاریخ میں آپ کی کتاب **طبقات الامم** کا اثر تاریخ دانوں پر بہت دیر تک رہا اور کثرت سے استعمال کی گئی۔ طبقات الامم میں ہندوستانی، یونانی، رومن، مصری، ایرانی، اسرائیلی اور عرب اقوام کے عادات و اطوار، کیریکٹر اور، مذہب بیان کیا گیا ہے۔ ان اقوام نے جن سائنسی علوم میں خاطر خواہ اضافے کئے اور فوقیت حاصل کی اس کا خاص ذکر کیا گیا ہے۔ ہسٹری آف سائنس بیان کرتے ہوئے اس نے کہا کہ آٹھ قوموں (ہندو، ایرانین، چلدئین، یونانی، لاطینی، مصری، یہودیوں اور مسلمانوں) نے سائنس کی ترویج و ترقی میں خوب حصہ لیا۔ آپ نے یورپ کی قوموں کو تیسرے درجہ کی قوموں میں شامل کیا۔ اس کا فرنچ ترجمہ بلاشیئر (R. Blachere) نے کیا جو پیرس سے 1935 میں شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے اندلس کے ممتاز علماء پر بھی کتاب لکھی جس میں مسلمان اور غیر مسلمان علماء کو شامل کیا گیا تھا۔ اسٹرانومی پر بھی ایک ٹھوس مقالہ لکھا جو ان کے اپنے فلکی مشاہدات پر مبنی تھا۔ اجرام سماوی کے ان مشاہدات سے الزرقالی نے استفادہ کیا تھا۔

(12) غرناطہ کے آخری حکمراں امیر عبداللہ نے اپنی یادداشتوں پر نہایت اہم اور دلچسپ کتاب لکھی۔ امیر عبداللہ کی پیدائش 1056ء میں ہوئی اور آٹھ سال کی عمر میں وہ تخت نشین ہوا۔ کتاب میں طوائف الملوک دور حکومت کے آخری ایام کا بڑا پر درد نظارہ کھینچا گیا ہے۔ اس نے ذکر کیا کہ کس طرح اس کا ایک وزیر تاج و تخت پر نگاہ لگائے بیٹھا تھا جبکہ عیسائی حکمراں اندلس کے علاقوں پر رفتہ رفتہ قابض ہو رہے تھے۔ اس نے بڑی رقت سے بیان کیا کہ کس طرح 1090ء میں المرابطون نے اس کی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور نہ صرف اس کو بلکہ اس کی والدہ کو بھی رسوا کیا گیا۔ مراکش میں قید کے دوران اس نے یہ کتاب لکھی اور وہیں دم توڑا۔

(13) عریب ابن سعد القرطبی

(976) خلیفہ عبدالرحمن الثالث کے دربار کے معزز رکن تھے۔ کچھ عرصہ خلیفہ الحکم الثانی کے دربار میں بھی اچھے عہدے پر فائز رہے۔ آپ ایک معروف تاریخ دان، اور طبیب حاذق تھے۔ آپ نے اندلس اور افریقہ کے سیاسی حالات پر کتاب تصنیف کی۔ میڈیسن (Gynaecology) میں آپ نے کتاب خلق الجنین لکھی نیز کلینڈر پر ایک رسالہ کتاب الانواع لکھا۔

(14) حسن ابن جلجل (944-994)

اندلس کے کہنہ مشق میڈیکل ہسٹورین تھے۔ 14 سال کی عمر میں طب کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور جب زندگی کے 24ویں زینہ پر قدم رکھا تو طبابت شروع کی۔ آپ خلیفہ ہشام الثانی کے ذاتی معالج تھے۔ آپ کا علمی شاہکار **تا ریخ الاطباء والحکماء** بے مثل ذہانت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ مصنف کی خوش گفتاری کی خوشبو دل و دماغ کو معطر کر دیتی ہے۔ یہ عربی زبان میں طب کی تاریخ پر مستند کتاب ہے۔ اس میں 57 سوانح عمریاں پیش کی گئی ہیں جس میں 31 مشرقی طبیبوں اور باقی کی افریقن اور اندلس کے اطباء اور حکماء کی زندگیوں پر ہیں۔ آپ کی دو اور کتابیں تفسیر اسماء الادویہ اور مقالہ فی ذکر الادویہ طب پر ہیں۔ نیز آپ نے ایک اور دلچسپ کتاب لکھی جس میں طبیبوں کی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ایک اور مقالہ ایسی ادویاء پر لکھا جو یونانی عالم دیسقورس (Dioscorides) کی کتاب الادویاء (Materia Medica) میں نہ تھیں مگر سپین میں پائی جاتی تھیں۔

(15) ابوولید ابن الفرضی (962-1013)

قرطبہ کا آوردہ و پروردہ تھا، یہاں وہ قانون کے پیشہ سے منسلک تھا۔ حرمین شریفین کی زیارت کے بعد جب وہ واپس لوٹا تو ویلینسیا کا قاضی مقرر کیا گیا۔ ان کی تصنیف منیف **تاریخ علماء الاندلس** (ہسٹری آف سائنٹسٹ) آپ کی فکر و بصیرت کی آئینہ دار ہے۔ یہ میڈرڈ سے 1891 میں شائع ہوئی تھی۔

(16) ابن حیان القرطبی (988-1076)

نے پچاس کتب تصنیف کیں جن میں المتین ساٹھ جلدوں میں تھی مگر نایاب ہے۔ دوسری تصنیف منیف **کتاب المقتبس فی تاریخ الاندلس** (اندلس کے مسلمان حکماء کی سوانح عمریاں) دس جلدوں میں ہے۔ اور ابھی تک دستیاب ہے آخری بار یہ پیرس سے 1937 میں شائع ہوئی تھی۔

(17) ابن بسام (1147)

نے اندلس کی ادبی تاریخ پر کتاب الداخرہ (خزانہ) تصنیف فرمائی جس کا ادبی اسٹائل اور طرز بیان منفرد تھا یہ معلومات کا نادر اور نایاب خزانہ تھا۔

(18) ابن تومارت

جوالمؤحد سلسلہ سلاطین کا بانی تھا اس نے گوناگوں دینی رسائل میں اپنے مذہبی نظریات بیان کئے۔ اس کی تصانیف کا مجموعہ **کتاب اعز ما یطلب** الجزائر سے 1903 میں زیور طبع سے آراستہ ہوا تھا۔ یہ مجموعہ اس کے جانشین امیر عبدالمومن کے حکم پر اکٹھا کیا گیا اور اس میں شاہی خاندان کے بارہ میں کافی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ ابن تومارت کے رفیق البیذاق جو اس کا ہمیشہ رفیق سفر رہا اس کی یادداشتوں کا مجموعہ بھی اتنا ہی اہم ہے کیونکہ اس میں چشم دید واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ المراطبون اور المؤحد سلسلہ سلاطین کے بارہ میں اس کے علاوہ جن مصنفین کی تصنیفات اہم ہیں ان میں ابن قطان کی **جز من نظم الجمان**۔ ابن صاحب الصلاح کی **المن با الا ما مہ**۔ ابن ابی زرع کی **روض القرطاس**۔ الزرکشی کی **تاریخ الدولتین** قابل ذکر ہیں۔

(19) عبدالواحد المراکشی (1185-1224)

کی پیدائش مراکش میں ہوئی۔ اندلس ہجرت کرنے پر اس کی ملاقات اشبیلیہ کے الموحد گورنر سے ہوئی۔ قرطبہ میں سکونت کے دوران وہ یہاں کے ممتاز دانشور الحمیاری کے حلقہ تدریس میں شامل ہوگیا۔ اندلس سے سفر کر کے وہ مصر، حجاز، شام سے ہوتا ہوا بغداد پہنچا۔ یہاں اس نے اپنا قلمی شاہکار **المعجب فی تلخیص اخبار المغرب** ایک وزیر کے کہنے پر زیب قرطاس کیا جو مغرب کے ممالک کا جغرافیہ، سیاست اور وہاں کے دانشوروں کے حالات جاننے کا خواہش مند تھا۔ المراکشی اپنی کتاب اندلس کی فتح سے شروع کرتا اور ملک کے حالات، اس کے اولین حکمرانوں، امراء اور گورنروں کے حالات بیان کرتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ حکمرانوں کے حالات مختصر طور پر بیان کرتا مگر اہل علم اور دانشوروں کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ مثلاً اس نے خلیفہ عبدالرحمن الثالث کے حالات ایک صفحہ پر بیان کئے جبکہ اس وقت کے سکالر منذر ابن سعید البلوطی کے حالات چار صفحات پر بیان کئے۔ یہ کتاب اس کی شخصیت کا ایسا آئینہ ہے جس میں اس کے فکر اور اسلوب کے گوشوں کا عکس منور دیکھا جاسکتا ہے۔

(20) ابن سعید مغربی (1274ء)

بے نظیر عالم فاضل، شاعر اور ادیب تھا۔ آپ غرناطہ کے شہر میں شمع افروز بزم جہاں ہوئے اور اپنے وجود باجود سے عالم کو روشن کیا۔ مشرق کے ممالک شام، عراق اور نارتھ افریقہ کے لمبے لمبے سفر کئے۔ اس نے تاریخ کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے کئی ایک مسودات کی صورت میں دستیاب ہیں۔ اس کی اپنی فیملی کے شجرہ نسب پر کتاب اور اس کے سفروں کی کتاب بھی نہایت دلچسپ ہے۔ اس کی کتابوں کے حوالے اس کے ہم عصر مصنفین اور بعد میں آنیوالے اہل قلم نے دئے۔ اس کا علمی شاہکار **المغرب** قاہرہ سے دوجلدوں میں ۱۹۵۳ء شیخ دائف نے شائع کیا تھا۔ اس میں 1135-1243 کے واقعات درج کئے گئے ہیں۔

اس نے شمالی یورپ کا سفر کیا، پھر آرمینیا اور تارتاری ممالک تک گیا یہاں وہ ہلاکو خاں کے دربار میں پہنچا اور اس کا مہمان خصوصی بنا اس نے **کتاب الجغرافیہ فی القالیم** (Extent of the Earth) کے نام سے کتاب لکھی۔

(21) ابن الازھاری

کی پیدائش مراکش میں ہوئی کیونکہ اس کی فیملی اندلس سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوگئی تھی۔ اس کے اشہب قلم سے **کتاب البیان المغرب فی اخبار الملوک الاندلس والمغرب** نمودار ہوئی۔ تاریخ کی اس مبسوط کتاب میں مصنف کے دور حیات 1270ء تک کے واقعات تاریخ وار بیان کئے گئے ہیں۔ تین جلدوں میں سے جلد اول مکمل طور پر نارتھ افریقہ پر ہے جس میں وہاں کی مشہور سلطنتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جلد دوم میں اندلس کے تاریخی حالات 1086ء تک دئے گئے ہیں جبکہ تیسری جلد میں مرابطون اور موحد حکمرانوں کے سیاسی حالات دئے گئے ہیں۔ کتاب میں اس نے الطبری، البکری، الرقیق، ابن حبیب، ابن حیان جیسے تاریخ دانوں کے رہین منت ہونے کا اظہار کیا ہے۔ مصنف کا اسلوب بیان ادبی خوش فکری کی عمدہ مثال ہے۔

(22) لسان الدین ابن الخطیب (1313-74)

کی فیملی قرطبہ کی رہنے والی تھی مگر اس کی پیدائش غرناطہ کے مغرب میں واقع قصبہ لوجہ میں ہوئی۔ اس کے والد نے ناصریہ خاندان کے مختلف انتظامی عہدوں پر فائز ہوکر خدمات سر انجام دیں مگر 1340ء میں وہ شہر پر عیسائیوں کے حملہ کے دوران تہ تیغ کر دیا گیا۔ سلطنت غرناطہ کے حکمران نے 27 سالہ لسان الدین کو حکومت کے شعبہ دیوان الانشاء میں سکرٹری کے عہدہ پر مامور کیا مگر جلد ہی اس کی صلاحیتوں کے پیش نظر اس کو وزیر بنا دیا گیا۔ سلطنت کے حکمران کا وہ وزیر خاص اور مشیر مقرر ہوا پھر اسے سفیر کے طور پر غیر ممالک میں بھیجا گیا۔ آپ کو **ذووزاراتین** کا لقب دیا گیا یعنی دو قسم کا وزیر ایک تو سیاسی اور دوسرا قلم کا۔ مگر اس کے سیاسی اثر، دولت کی فراوانی اور ترقی نے اس کے بہت سے دشمن بھی پیدا کر دئے خاص طور پر اس کا شاگرد ابن زمراک جس نے اس پر ایک سازش کے ذریعہ تکفیر کا الزام عائد کرنے کی کوشش کی۔ اسے فاس کے شہر میں جلا وطن کر دیا گیا، وہاں سے نارتھ افریقہ۔ یہاں جیل میں وطن مالوف میں اس کے خلاف ہونے والی سازشوں کی وجہ سے کسی نے اسے گلا گھونٹ کر راہی ملک بقا کر دیا۔

آپ چودہویں صدی کی سب سے کہنہ مشق تاریخ داں اور ادبی شخصیت تھے۔ آپ نے علم تاریخ، جغرافیہ، طب، اور فلاسفی پر ساٹھ کتابیں لکھیں۔ ایک بیوگرافیکل ڈکشنری بھی لکھی، اور ایک نظم (**ارجوزہ**) میں اسلامی سپین کی تاریخ بیان کی۔ غرناطہ کی تاریخ پر آپ کی کتاب **الاحاطہ فی تاریخ الغرناطہ** 1319 میں قاہرہ سے منظر عام پر آئی تھی۔ میڈیسن میں آپ کی کتاب **الیوسفی** دوجلدوں میں ہے۔ سیاسی ذمہ داریوں کے باوجود لسان الدین نے بطور طبیب، فلاسفر، شاعر مؤرخ اور مدبر سیاست داں کے طور پر نام

پیدا کیا۔اس نے میوزک، میڈیسن، صوفی ازم، سیاست، سفرناموں، اور تاریخ پر پچاس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر کتابیں امتداد زمانہ سے تلف ہو چکی ہیں مگر جو محفوظ رہی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے عظیم ادیبوں میں سے تھا۔ اندلس پر اس نے متعدد کتابیں لکھیں خاص طور پر غرناطہ پر اس کی کتاب معلومات کا خزانہ ہے۔ اس کے اقوال زریں میں سے ایک بہت مشہور ہے:

Were it not for history, virtue would die with its possessors.

اس کی کتابوں کے بیش قیمت مسودات اسکوریال کی لائبریری میں موجود ہیں۔ **الکتیبه الکامنه فی اهل الثمینه** میں اس نے آٹھویں صدی ہجری کے 103 وزیروں، شاعروں، خطیبوں، فقیہوں، قرآن مجید کے قاریوں اور سیکرٹریز کے بیوگرافیکل سکیچز پیش کئے ہیں۔ اس کی خودنوشت سوانح عمری کا نام **نفادات الجراب فی علالات الاغتراب** ہے۔ اس کے علاوہ اس کی دو اہم اور پر از معلومات کتابیں عمل العالم اور احاطہ ہیں۔ عمل العالم کا وہ حصہ جس میں اندلس کے حالات ہیں اسے بیروت سے 1956ء میں Levi Provencal نے ایڈٹ کر کے شائع کیا تھا۔ اسلامی ریاستوں کی تاریخ پر اس کی دوسری کتاب رقم الحلل فی نظم الدوال ہے جس کا مسودہ اسکوریال (نمبر 1776) میں موجود ہے۔ یہ تیونس سے 1926 ہجری میں منظر عام پر آئی تھی۔ جس کتاب نے اس کے نام کو لازوال بنا دیا اس کا نام احاطہ فی اخبار غرناطہ ہے جس میں اس نے غرناطہ کے طبقہ اشراف جیسے قاضیوں، قاریوں، علماء، شاعروں، صوبائی گورنروں، محدثوں، صوفیوں، نیک افراد، زاہدوں، ادیبوں، بلکہ غریبوں کے اسماء تہجی وار دئے ہیں۔ یہ کتاب قاہرہ سے 1955ء میں محمد عبداللہ عنان نے دو جلدوں میں شائع کی تھی۔

(23) عبدالرحمن ابن خلدون

اندلس کی وہ قد آور، عہد ساز شخصیت جس کے مشرق و مغرب کے تمام اسکالرز رطب اللسان ہو گئے اس کا نام عبدالرحمن ابن خلدون ہے (1332-1406)۔ وہ انتھروپالوجی کے علم کا باوا آدم تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے اس علم کو عمران البشری کا نام دیا۔ علم تاریخ کا وہ باریک نگاہ والا فلاسفر تھا۔ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ وہ بلاشبہ وہ علمی دیوتا intellectual giant تھا۔ اس کی پیدائش تیونس میں ہوئی جہاں اس کی فیملی اشبیلہ سے ہجرت کر کے آباد ہوئی تھی۔ بچپن میں ہی اس نے منطق، میٹافزکس، اور دینی علوم میں تعلیم حاصل کی۔ 1345ء میں اس کے والدین طاعون سے ہلاک ہو گئے تو اس کو شاہی دربار میں بطور مہر بردار کے ملازمت مل گئی۔ 1362ء میں وہ غرناطہ ہجرت کر گیا جہاں اس کا استقبال حکمران وقت اور اس کے وزیر ابن الخطیب نے گرمجوشی سے کیا۔ یہاں حالات سازگار نہ ہو سکے تو واپس تیونس آ گیا جہاں وہ حکمران وقت کا حاجب (چیمبرلین) مقرر ہو گیا۔ یہاں محلاتی سازشوں سے تنگ آ کر نیز گرفتاری سے محفوظ رہنے کے لئے وہ الجیریا کے نخلستان بسکارہ میں آباد ہو گیا۔ یہاں مکمل تنہائی میں اس نے وہ جلیل القدر کتاب قلم بند کی جس سے اس کا نام لازوال ہو گیا یعنی المقدمہ۔ 1382ء میں وہ حج کی غرض سے ملک سے روانہ ہوا اور پھر لوٹ کر نہ آیا۔ اگلے 24 سال وہ مصر میں رہا جہاں وہ الازہر یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوا، مالکی فقہ کا قاضی کا بنا۔ 1401ء میں وہ تیمور لنگ کے دربار میں بطور سفیر کے بھیجا گیا جو اس وقت شام پر قبضہ کر کے مصر پر حملہ آور ہونے کا عزم کر رہا تھا۔

اس کی افتادِ طبع کا نتیجہ **کتاب العبار و دیوان مبتداج والخبار فی ایام العرب والعجم والبربر** سات جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد مقدمہ التاریخ پر مشتمل ہے جو فی الحقیقت علم تاریخ کا ماسٹر پیس اور اس کی فکر و بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ یاقوت و مرجان سے زیادہ اس بیش بہا کتاب نے اس کی شخصیت کو مینارہ نور بنا دیا۔ انیسویں صدی میں اس کا ترجمہ فرنچ میں ہوا، اور 1958ء میں اس کا انگلش ترجمہ منصۂ شہود پر آیا۔

(24) ابن عبدربیحی ((860-940)

خلیفہ عبدالرحمن الثانی کے درباری شاعر تھا۔ اس نے کتاب عقد الفرید لکھی جو اندلس کے حکمرانوں کی گورنمنٹ، ان کی سوشل ہسٹری، اور علمی و ادبی، ثقافتی سرگرمیوں پر معلومات کا خزانہ ہے۔

(25) ابن مغیث (898-963)

خلیفہ الحکم الثانی کا مرغوب تاریخ دان تھا۔ وہ زاہدانہ عادات اور خصلتوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ قرطبہ میں قاضی کے عہدہ پر فائز رہا۔ اپنے سرپرست کی خواہش پر اس نے مشرق و مغرب کے خلفاء کی شاعری پر ایک کتاب ترتیب دی۔

(26) ابن فراج الجیانی

اس کے ہم عصر ابن فراج الجیانی (وفات ۹۷۰ء) نے **کتاب الحدائق** تصنیف کی جو خلیفہ الحکم الثانی کے نام سے منسوب تھی۔ یہ کتاب مشرق کے سکالر ابن داؤد الاصفہانی کی کتاب الزہراء کے نمونہ پر لکھی گئی تھی۔ کتاب الحدائق کے بارہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے دو صد ابواب تھے اور ہر باب دو صد اشعار پر مشتمل تھا۔ کتاب میں صرف اندلس کے شعراء کا تذکرہ موجود ہے۔

(27) ابوالولید الحمیاری

(وفات 1048ء) جو اشبیلہ کا رہنے والا تھا اس نے موسم بہار کے اوصاف پر **کتاب البدیع فی وصف الربیع** لکھی۔ کتاب میں اندلس کے ایسے شعراء کا کلام دیا گیا تھا جنہوں موسم بہار اور پھولوں کو اپنا موضوع سخن بنایا تھا۔

(28) ابن بسام

(وفات 1147ء) کی پیدائش پرتگال کے متمول مسلمان خاندان میں ہوئی۔ 1100 میں وہ قرطبہ ہجرت کر آیا اور قلم کو ذریعہ معاش بنا لیا۔ اس کی تمام کتابوں میں سے سب سے اہم کتاب اندلس کی ادبی تاریخ پر **الداخرہ** (خزانہ 1109ء) تھی۔ جس کا ادبی اسٹائل اور طرز بیان منفرد تھا یہ معلومات کا نادر اور نایاب خزانہ تھی۔ اس میں منتخب نظمیں

دی گئیں تھیں۔ کتاب کو بجائے تاریخ یا حروف تہجی کے اندلس کے مختلف خطوں کی نسبت سے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ کتاب میں اندلس کے ممتاز اہل قلم کی ۱۲۶ معروف نظمیں پیش کی گئیں تھیں۔ ہر شاعر کی سوانح عمری، اس کے کلام کے اوصاف اور پھر اس کی نظم یا نثر کا اعلیٰ نمونہ دیا گیا تھا۔ الذاخرہ کا مکمل ایڈیشن تو اب کہیں دستیاب نہیں البتہ اس کے کچھ حصے قاہرہ سے 45-1939 میں شائع ہوئے تھے۔

(29) ابن خاقان

غرناطہ کے قریب پیدا ہونے والے ابن خاقان نے کتاب قلائد ترتیب دی جس میں اندلس کے 66 نمایاں شعراء کا کلام اور ان کی زندگی کے واقعات دئے گئے تھے خاص طور پر ایسے شعراء جو طوائف الملوکی کے دور میں پیدا ہوئے۔ **قلائد** چار حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے حصہ میں ممتاز حکمرانوں اور شرفاء اور ان بیٹوں کے اوصاف دئے گئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں وزراء، خطیبوں اور شاعروں کی شاعری پیش کی گئی ہے۔ تیسرا حصہ قاضیوں اور علماء پر مشتمل ہے اور چوتھے حصہ میں ادیبوں اور شاعروں کا کلام۔

(30) اندلس کے اہل قلم نے ممتاز قاضیوں، اطباء، اور سیکرٹریز کی بیوگرافیکل ڈکشنریز (اسماء الرجال) بھی ان کے پروفیشن کے مطابق ترتیب دیں۔ الزبیدی نے اندلس کے مشہور گرائمر نویسوں اور لغت نویسوں پر، ابن جلجل نے مشہور اطباء پر، اور ابن البر نے قرطبہ کے فقہاء پر ڈکشنریز کو مدون کیا۔ محمد ابن حارث الخوشانی (وفات 971ء) نے فقہاء اور حدیث کے راویوں پر کتاب **تاریخ قدت قرطبہ** (ہسٹری آف ججز آف قرطبہ) لکھی۔ کتاب میں اندلس کی فتح 711 سے لے کر 968ء تک کے قانونی مسائل و امور اور قاضی کے عہدہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب مصنف کی گل افشانی گفتار کا شاہکار ہے۔

(31) ابوعلی الصدفی (وفات 1121ء)

سرقسطہ Saragosa کے شہر کا رہنے والا تھا۔ بطور پروفیشن کے وہ ایک ممتاز قاضی تھا۔ اس کی سوانح عمری (یعنی معجم) ابن الآبار نے ترتیب دی جس میں اس کے شاگردوں اور پیرکاروں کا ذکر کیا گیا تھا۔ (32) ابن خیر کی پیدائش اشبیلہ کے شہر میں 1109ء میں ہوئی اور وفات قرطبہ میں 1180ء میں۔ اس نے اندلس کے بڑے بڑے شہروں میں وہاں کے معزز علماء سے اہم اور مبسوط کتابوں کا درس لیا۔ اس کے بعد اس نے ایک کتاب فہرا سہ لکھی جو 1040 کتابوں کی کیٹیلاگ ہے اس میں کتابوں کا تذکرہ اور خلاصے دئے گئے ہیں۔ یہ تمام کی تمام کتابیں اس نے معتبر استادوں سے پڑھیں تھیں۔

(33) الحجاری

الحجاری نے چھ جلدوں پر مشتمل کتاب لکھی جس میں اندلس کی فتح سے لے کر 1135ء تک مغرب کے عالم فاضل احباب کی سوانح عمریاں دی گئیں تھیں۔ اگرچہ یہ کتاب ناپید ہو چکی ہے مگر ابن سعید المغربی نے اس سے خوب استفادہ کیا۔

(34) الدابی

نے تمام عمر مرسیہ کے شہر میں گزاری۔ اس نے ایک اہم کتاب لکھی جس کا نام بغایتہ الملتمس فی تاریخ رجال الاندلس تھا۔ کتاب میں اندلس کے فقہاء، قاضیوں اور شاعروں کی سوانح عمریاں دی گئیں تھیں۔

(35) الحومیدی

نے بھی ایک بیوگرافیکل ڈکشنری لکھی جس کا نام **جزوات المقتبس** تھا۔ (۳۰) عبداللہ ابن علی الرشاطی (وفات 1147ء) نے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ کے شجرہ نسب پر کتاب **اقتباس الانوار ولتماس الازھار انساب الصحابہ وروحۃ الاثار** لکھی۔

(36) ابراہیم ابن علی فرحون (وفات 1397ء)

نے فقہاء کے سوانح عمریوں پر کتاب الدیباج المذھب فی معرفت عیان علماء المذھب لکھی جو قاہرہ سے 1351 ہجری میں شائع ہوئی تھی۔

(37) ابن الفرضی (962-1013)

کی پیدائش قرطبہ میں ہوئی۔ ویلنسیا کے شہر میں وہ قاضی کے عہدہ پر فائز ہوا۔ 992 میں وہ حج کرنے گیا۔ اس نے کتاب تاریخ علماء اندلس لکھی جس کو ماڈل بنا کر آئندہ کئی نسلوں کے عالم اور دانشور اس نوعیت کی کتابیں لکھتے رہے۔ اس کے علاوہ اس نے اندلس کے شاعروں پر ایک کتاب اور دوسری کتاب اندلس کے احادیث کے راویوں پر لکھی مگر دونوں ناپید ہو چکی ہیں۔ اس نے ایک بیوگرافیکل ڈکشنری دو جلدوں میں تدوین کی جس میں اندلس کے عالموں کے حالات تہجی وار دئے گئے تھے۔

(38) حافظ ابوالقاسم ابن بشکوال (1101-1182)

قرطبہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے پچاس کتابیں لکھیں جیسے رواء الموطا (موطا امام مالک کے قاری) اور **کتاب الصیلہ** جس میں اندلس کے 1541 عالموں، ادیبوں، دانشوروں اور اماموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب کے تعارف میں اس نے لکھا کہ یہ کتاب اس نے اپنے مداحوں کی فرمائش پر ابن الفرضی کی کتاب کو مکمل کرنے کے طور پر لکھی تھی اسی لئے اس کتاب کا فارمیٹ (رسم وطریقہ) فرازی کی تاریخ علماء اندلس جیسا ہے۔ دونوں کتابوں کی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا۔ کئی عالموں نے ذیل کتاب الصیلہ کے طور پر کتابیں رقم کیں۔

(39) ابن الآبار (1199-1260)

کی پیدائش ویلنسیا کے صوبہ میں ایک چھوٹے گاؤں میں ہوئی۔ اس نے اپنے وقت کے ممتاز اہل قلم اور علماء سے تعلیم حاصل کی۔ 1238ء میں وہ ویلنسیا سے ہجرت کر کے تیونس چلا گیا جہاں اسے شاہی دربار میں ملازمت مل گئی مگر بادشاہ کے سازشیوں کے آگے وہ دم توڑ گیا اور اسے 1260ء میں راہی ملک بقا کر دیا گیا۔ تیونس میں اس نے بطور تاریخ دان اور نامور

ادیب کے نام پیدا کیا۔ اس نے ادب، تاریخ، اور احادیث نبویؐ پر چالیس کے قریب کتابیں قلم بند کیں جن میں اکثر مرورِ زمانہ کے ساتھ ناپید ہو چکی ہیں۔ فن تاریخ پر اس کی جو کتابیں محفوظ رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ممتاز تاریخ داں تھا۔ اس سلسلہ میں اس کی کتاب **تکملہ لکتاب الصیلہ** al-Sila of Continucation اور **معجم** قابل ذکر ہیں۔ تکملہ میں اس نے تاریخی واقعات کو جہاں ابن بشکوال چھوڑا تھا وہاں سے لے کر اپنے زمانہ تک کے واقعات بیان کئے ہیں۔ تکملہ 1887ء میں میڈرڈ سے شائع ہوئی تھی۔ معجم حروف تہجی کے مطابق ترتیب دی گئی تھی جس میں ہر عالم و فاضل کا پورا نام، جائے پیدائش و رہائش، اس کے اساتذہ، تاریخ وفات اور جس علم یا فن میں اس نے نام پیدا کیا، جیسے کوائف دئے گئے تھے۔ کتاب میں 315 دانشوروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی کتاب **الحلی السیارہ** (سنہری دھاگوں والا لباس) میں ایسے شہزادوں کا ذکر کیا گیا ہے جو شعر و شاعری سے رغبت رکھتے تھے۔

(40) عبدالمالک الانصاری (وفات 1303ء)

نے ابن الآبار کی کتاب پر **الذیل والتکملہ** دس جلدوں میں لکھی۔ اس کتاب کی تین جلدیں اسماعیل عباس نے ایڈٹ کر کے بیروت سے 1966ء میں شائع کیں تھیں، ان میں 1705 عالموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس نے ابن الفرازی اور ابن بشکوال کی کتابوں کو مکمل کرنے کی کوشش کی۔

(41) ابن الزبیر

اس کے ہم عصر ابن الزبیر (1308ء) کی پیدائش خائن میں ہوئی مگر عمر کا زیادہ حصہ ملاگا اور غرناطہ میں گزارا۔ وہ کتاب الصیلات الصیلہ (لنک آف لنک) کا مصنف ہے۔ اس نے بھی ابن بشکوال کی الصیلہ کو مکمل کرنے کی کامیاب سعی کی۔ کتاب کے بچے ہوئے حصوں کو Levi Provencal نے ایڈٹ کر کے 1932ء میں پیرس سے شائع کیا تھا۔

(42) ابوالعباس المقری (1591-1632)

کی پیدائش نارتھ افریقہ کے شہر Tlemcen میں ہوئی۔ اندلس سے ہجرت کر کے وہ پہلے فیض گیا، وہاں سے دمشق اور وہاں سے قاہرہ جہاں اس کی وفات ہوئی۔ آپ دمشق میں صحیح بخاری پر لیکچر دیا کرتے تھے۔ زندگی میں پانچ بار حج کیا۔ اس کی دو عالمانہ کتابوں کے نام **نفح الطب من غسن الاندلس الر تیب** اور **ازھار الریاض** Flowers of Meadows ہیں۔ پہلی کتاب میں اس نے اندلس کی تاریخ اور ثقافت پر بیش بہا معلومات دی ہیں یہ کتاب دمشق کے معتبر سکالروں کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔ اگرچہ کتاب لکھنے کی غرض و غایت لسان الدین کی سوانح عمری لکھنا تھا مگر کتاب کا نصف حصہ تاریخ اندلس پر ہے۔ ازہار الریاض بارہویں صدی کے مذہبی عالم اور فقیہہ ابن الایاز کی زندگی پر ہے۔ یہ کتاب مصطفی سقاء نے ایڈٹ کر کے تین جلدوں میں قاہرہ سے 1942ء میں شائع کی تھی۔ جبکہ اس کا ترجمہ و تلخیص لندن سے 1840-1843 میں شائع ہوا تھا۔

❀❀

کچھ اِدھر اُدھر سے....

❀ آسمان پر اُڑتے ہوئے پرندے سے کسی نے پوچھا:
تمہیں زمین پر گرنے کا ڈر نہیں؟
اس نے مسکرا جواب دیا کہ:
میں انسان نہیں جو ذرا سی بلندی پر جا کر اکڑ جاؤں، نظریں میری زمین پر ہی ہوتی ہیں۔

❀

❀ رشتوں کی ڈور کمزور تب ہوتی ہے جب انسان غلط فہمی میں پیدا ہونے والے سوالوں کے جواب خود ہی بنا لیتا ہے۔

❀

❀ میں نے دل کے دروازے پر لکھا:
اندر آنا منع ہے۔
عشق مسکراتا ہوا بولا: معاف کرنا میں اندھا ہوں۔

❀

ایک بیٹی کی گزارش

مجھے اتنا پیار نہ دو بابا
کل جتنا مجھے نصیب نہ ہو
یہ جو ماتھا چوما کرتے ہو
کل اس پر شکن عجیب نہ ہو
میں جب بھی روتی ہوں بابا
تم آنسو پونچھا کرتے ہو
مجھے اتنی دور نہ چھوڑ بابا
میں روؤں اور تم قریب نہ ہو
میرے ناز اُٹھاتے ہو بابا
میرے لاڈ اُٹھاتے ہو بابا
میری چھوٹی چھوٹی خواہش پر
تم جان لُٹاتے ہو بابا
کل ایسا نہ ہو اک نگری میں
میں تنہا تم کو یاد کروں
اور رو رو کر فریاد کروں
اے اللہ میرے بابا سا
کوئی پیار جتانے والا ہو
میرے ناز اُٹھانے والا ہو

❀

❀ استاد بچوں سے:
''اچھا یہ بتاؤ دن میں تارے کیوں نہیں نکلتے؟''
ایک بچے نے معصومیت سے جواب دیا:
''سر! وہ سورج کے راستے میں ٹانگ نہیں اڑانا چاہتے۔''

❀

فقیر: صاحب میری مدد کیجیئے، میرا سامان، بال بچے، مکان، روپیہ پیسہ، سب کچھ جل گئے۔
صاحب: مگر اس کا ثبوت کیا ہے۔
فقیر: جناب ثبوت بھی تھا مگر مکان کے ساتھ وہ بھی جل گیا۔

❀❀